مکاتیبِ اقبال

بنام

خان نیاز الدین خاں

(مع تعلیقات و حواشی)

مرتب

عبد اللہ شاہ ہاشمی

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

ناشر
نذیر احمد
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
حکومت پاکستان، قومی تاریخ و ادبی ورثہ ڈویژن
چھٹی منزل، ایوان اقبال کمپلیکس، ایجرٹن روڈ، لاہور
Tel: [+92-42]36314510, 99203573
Fax: [+92-42]36314496
Email: info@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN: 978-969-416-541-7

طبع اوّل : ۱۹۸۶ء (اکادمی ایڈیشن)

طبع دوم : ۲۰۰۶ء (اکادمی ایڈیشن)

طبع سوم : ۲۰۱۹ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : -/۶۰۰روپے

مطبع : آرٹ اینڈ گرافکس، لاہور

محل فروخت: ۱۱۶-میکلوڈ روڈ، لاہور فون نمبر ۳۷۳۵۷۲۱۴

انتساب

مشفق اور مخلص دوست

ملک حق نواز خاں

(پیر زئی، حضرو)

اور

صوبہ سرحد کے ممتاز اقبال شناس

پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوروی (مرحوم)

کے نام

اظہارِ تشکر

اقبال اکادمی پاکستان، خان نیاز الدین خاں کے پوتے خان فصیح الدین خاں اور دیگر لواحقین کی شکر گزار ہے کہ انھوں نے اکادمی کو مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں کی عکسی نقول مہیا کیں۔ انھی نقول کی بنیاد پر مکاتیب کی صحت متن ممکن ہو سکی ہے۔

قابل تحسین بات یہ ہے کہ ان خطوط کے لیے انھیں خاصی رقم کی پیش کش ہوئی لیکن خان نیاز الدین خاں کے لواحقین نے خطوط 'فروخت' کرنے سے انکار کر دیا۔

محمد سہیل عمر
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان

فہرست

حرفِ اوّل	عبداللہ شاہ ہاشمی	۷
پیش لفظ (طبع اول ۱۹۵۴ء)	ایس۔ اے۔ رحمٰن	۱۵
ملاحظات: [دیباچہ، طبع دوم ۱۹۸۶ء]	پروفیسر محمد منور	۱۷
مقدمہ	عبداللہ شاہ ہاشمی	۲۹
تمہید		
مجموعہ: مکاتیب اقبال بنام نیاز		
خاں نیاز الدین خاں		
اقبال و نیاز کے روابط:		
مکاتیبِ اقبال (مع حواشی و تعلیقات)		۴۵
کتابیات		۱۴۹
ضمیمہ جات		۱۵۷
۱۔ مکتوباتِ گرامی بنام نیاز		۱۵۹
۲۔ مسئلہ خلافت کی حقیقت		۱۷۱
۳۔ اقبال کے دست نوشت چند مکاتیب کے عکس		۱۷۷
اشاریہ		۱۸۹

اختصارات

اس مقالے میں بعض ناموں اور کتابوں کے حسب ذیل مختصر نام اختیار کیے گئے ہیں:

انجمن حمایت اسلام	انجمن
خان محمد نیاز الدین خاں	نیاز
مکاتیب اقبال بنام گرامی	مکاتیب بنام گرامی
مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں	مکاتیب بنام نیاز
تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ	تصانیف
Encyclopaedia Britannica	برٹانیکا
اردو دائرہ معارف اسلامیہ	دائرہ معارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

۱۹۹۲ء کے اواخر کی بات ہے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد سے ایم فل کر رہا تھا۔ مشقی کام اور ورکشاپ وغیرہ سے فراغت ہو چکی تھی اور تحقیقی مقالے کے لیے موضوع کی تلاش کا مرحلہ درپیش تھا۔ اربابِ شعبہ اقبالیات نے حسبِ معمول یہ "اختیار" طلبہ کو دے دیا اور یہ ہم طلبہ کے لیے "سنگ آمد و سخت آمد" کا معاملہ تھا۔ ایک موضوع پیش کرتے تو پتا چلتا اس پر تو کراچی یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی ہو چکی ہے، دوسرے کے بارے میں معلوم ہوتا اس پر دس سال پہلے پنجاب یونی ورسٹی میں مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ ایسی مشکلات سے طلبہ کو شاید اب بھی واسطہ پڑتا ہو۔

قصہ مختصر، برادرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے تجویز کیا کہ مکاتیبِ اقبال بنام نیاز پر حواشی و تعلیقات کو موضوعِ مقالہ بنایا جائے۔ شعبۂ اقبالیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر رحیم بخش شاہین صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ میں نے مقالے کا خاکہ تیار کیا اور بالآخر یونی ورسٹی نے مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں ــــ تعلیقات و حواشی کے عنوان سے مجھے مقالہ تیار کرنے کی اجازت دے دی اور شاہین صاحب میرے نگران مقرر ہوئے۔

۱۹۹۳ میں مَیں نے مقالہ تیار کر کے یونی ورسٹی میں داخل کر دیا اور فروری ۱۹۹۴ء میں ایم فل کی ڈگری مل گئی۔ اب مذکورہ مقالہ ہی نظر ثانی اور بہت سی ترامیم اور اضافوں کے ساتھ، کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ موجودہ شکل میں یہ کتاب، مقالے کی ابتدائی صورت سے بہت کچھ مختلف ہے۔

آیندہ اوراق میں مکاتیبِ اقبال بنام نیاز کو جس طریقِ کار اور تدوینی اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، ان کے ذکر سے پہلے اس مجموعے کے مختلف مطبوعہ نسخوں کا تعارف ضروری ہے۔

مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں پہلی بار بزم اقبال لاہور نے ۲۱ x ۱۷ س م کی تقطیع پر باریک نسخ ٹائپ میں شائع کیے۔ اس پر اشاعت کا سنہ درج نہیں لیکن ایس اے رحمان کے ''پیش لفظ'' اور ''تصدیق'' سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کی اشاعت ۱۹۵۴ء میں عمل میں آئی ہوگی۔

ایک سرسری اور رسمی دیباچے کے بعد، ۷۹ خطوں کا متن، زمانی ترتیب سے دیا گیا ہے۔ درمیان میں اقبال کے دو دست نوشت عکس (خط نمبر۳ اور خط نمبر ۱۲) آرٹ پیپر پر چھاپ کر شامل کیے گئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ نقل نویس نے متن احتیاط سے نقل کیا ہے تاہم بعض باریکیوں کا لحاظ نہیں رکھا، مثلاً: اقبال نے ''۱۶ء'' اور ''۱۷ء'' لکھا ہے جسے نقل نویس نے ''۱۹۱۶ء'' اور ''۱۹۱۷ء'' بنا دیا ہے یا مثلاً: اقبال اپنے نام کے جزو ''محمد'' پر ؐ کی علامت بناتے ہیں لیکن نقل نویس نے یہ اہتمام نہیں کیا۔

آغاز میں ''تصدیق'' کے زیر عنوان ایس اے رحمان نے توثیق کی ہے کہ اس مجموعے میں شامل متون اصل خطوں کی صحیح نقول ہیں اور انھوں نے بدقتِ نظر اصل خطوط دیکھ لیے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بتایا ہے کہ انھوں نے خط نمبر ۶۵ کے عکس کا (جو انھیں نقوش کے مدیر محمد طفیل سے دستیاب ہوا تھا) موجودہ متن سے موازنہ کیا تھا۔ اصل خط میں ایک لفظ ''موہوم'' ہے مگر زیرِ نظر نسخے میں اسے ''موہومی'' لکھا گیا۔ اسی طرح محمدؐ کو درج نہیں کیا گیا (تصانیف، ص ۲۳۴)

ان خطوں کے متن میں کہیں کہیں کچھ لفظ قوسین میں دیے گئے ہیں، شاید ربط کے لیے مگر یہ وضاحت نہیں ملتی کہ قوسین کے الفاظ نقل نویس یا مرتب نے ازخود اضافہ کیے یا یہ متن کا حصہ تھے۔

۱۹۸۶ء میں اقبال اکادمی پاکستان نے اس مجموعے کا دوسرا اڈیشن نستعلیق کتابت میں بعض اضافوں کے ساتھ شائع کیا۔ اس کے سرورق پر اقبال کے جس خط کا عکس دیا گیا ہے، وہ نیاز کے نام نہیں۔ اس اعتبار سے سرورق پر اس خط کی عکسی اشاعت بے محل ہے۔

ترتیب میں سب سے پہلے پروفیسر محمد منور صاحب کا دیباچہ (ص۷ تا ۱۶) بعنوان "ملاحظات" ہے جس میں علامہ اقبال کی خطوط نویسی، اور نیاز کے نام ان کے مکاتیب کی اہمیت اور ان خطوں کے بعض اہم موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایس اے رحمان کا "پیش لفظ" اور "تصدیق" شامل ہیں۔ خطوط کا متن ص۱۹ سے ص۷۵ تک محیط ہے۔ بعد ازاں "مکتوباتِ گرامی" کے عنوان سے مولانا گرامی کے چودہ خطوط شامل کیے گئے ہیں، جو خان نیازالدین خاں کے نام ہیں۔ اس کے بعد "تعارف" کے عنوان سے نفیس الدین احمد خاں نے اس مجموعے کے بارے میں مختصر اظہارِ خیال کیا ہے (محرّرہ ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء) اگلے صفحے پر بستی دانش منداں کا مختصر تعارف ہے۔ بعد ازاں نفیس الدین احمد خاں کے قلم سے خان محمد نیاز الدین خاں کے مختصر حالات زندگی درج ہیں۔ خطوط میں مذکور بعض شخصیات اور دیگر امور پر حواشی اور تعلیقات شامل ہیں اور یہ بھی نفیس الدین احمد خاں کی تحریر ہے۔

طبع اوّل [۱۹۵۴ء] سے موازنہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس اشاعت کا متن ناقص ہے، مثلاً:

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱	۲	آجائیں گے۔ عرشی	آجائیں گے۔ خدا کرے کہ یہ ختم ہو جائے۔ عرشی
۴۲	۱۰-۱۱	ہے وہ کمال	ہے کمال
۴۶	۱۴	عوام اور مجلس	عوام یا مجلس
۴۷	۵	ایوانِ خاص	ایوانِ خواص

۶۱	۲۱-۲۲	علاج اس سے	علاج نقرس کے علاج سے
۶۳	۷-۸	صاحب پرائیویٹ	صاحب کے پرائیویٹ
۶۵	۸	قائم کرنا جس	قائم کرنا، میری رائے میں جس
۶۵	۱۷	انکا اصرار	انکار اصرار
۶۶	۳	یہ بات مروّت	یہ بات میرے نزدیک مروّت
۶۷	۱۴	ہمارے لوگ	ہمارے ملک کے لوگ
۷۲	۵	میں آداب	میں میری طرف سے آداب
۷۳	۳	ایسی مشکلات	ایسی ایسی مشکلات

اندازہ ہوتا ہے کہ پروف خوانی احتیاط سے نہیں کی گئی۔

یہ مجموعہ، تیسری بار بزم اقبال لاہور نے ۱۹۹۵ء میں نستعلیق کمپوزنگ میں شائع کیا (تقطیع: ۲۲x۱۴ س م) کوائفِ طباعت کے صفحے پر اسے ''طبعِ دوم'' بتایا گیا ہے جو درست نہیں، یہ طبع سوم ہے۔ ابتدا میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کا دیباچہ شامل ہے۔ اس نسخے میں طبع دوم (اقبال اکادمی، ۱۹۸۶ء) کا دیباچہ از پروفیسر محمد منور اور نفیس الدین احمد خاں کی توضیحات اور مکاتیب گرامی وغیرہ محذوف ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار صاحب کے دیباچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید وہ طبع دوم کی اشاعت ہی سے بے خبر ہیں۔ اس نسخے کی پروف خوانی احتیاط سے کی گئی ہے البتہ خط نمبر ۴۲ کی تاریخ تحریر، اس میں بھی بدستور (غلط جگہ) خط نمبر ۴۱ کے آخر میں درج ہے۔ متن میں طبع اول کی پیروی کی گئی ہے۔ طبع اوّل میں شامل دو خطوں کے عکس اس میں بھی شامل ہیں، مگر عکس کے مطابق ''۱۶ء'' لکھنے کی بجائے متن کی تقلید میں ''۱۹۱۶ء'' لکھا گیا ہے۔ اس نسخے میں متن کے بعد ''حوالے و حواشی'' کے تحت چند حاشیے درج ہیں۔ آخر میں تین صفحاتی اشاریہ شامل ہے، جو صرف افراد کے حوالوں پر مشتمل ہے۔

مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں زیرِ نظر نسخہ، مکاتیبِ اقبال بنام نیاز کی چوتھی اشاعت ہے۔ اس اشاعت کی ترتیب و تدوین اور حواشی و تعلیقات کے بارے میں ضروری امور کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱- مقدمے میں ایک مختصر تمہید کے بعد، مکاتیب بنام نیاز کا تعارف کرایا گیا ہے، پھر ان خطوں کی اہمیت کا ذکر کرنے کے بعد، مکتوب الیہ کے سوانحی کوائف دیے گئے ہیں۔ بعدہٗ، کاتب و مکتوب الیہ (علامہ اقبال اور نیاز) کے تعلقات و روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گویا یہ مقدمہ ایک طرح سے زیرِ نظر مکاتیب کا پس منظر ہے اور اس کے مطالعے کے بعد، اصل مکاتیب کو سمجھنا آسان ہو گا۔

۲- مکاتیب کے متن کی مقدور بھر تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم نے ابتدا میں طبع اول [۱۹۵۴ء] کو بنیاد بنایا تھا۔ دریں اثنا ہمیں خان فصیح الدین خاں کی توجہ سے علامہ اقبال کے اصل دست نوشت خطوط کے عکس مل گئے، چنانچہ موجودہ متن، اصل خطوں کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ اقبال کی تحریر میں اگر کہیں کوئی لفظ رہ گیا تھا تو قلّابین میں قیاسی تصحیح کر دی گئی ہے۔

۳- حواشی و تعلیقات کے بغیر، خطوطِ اقبال کا متن بسا اوقات واضح نہیں ہوتا، چنانچہ متن میں مذکور افراد و اشخاص اور وضاحت طلب امور پر حسب ضرورت حواشی و تعلیقات تحریر کیے گئے ہیں۔ ان میں نفیس الدین احمد خاں کے حواشی (مشمولہ: طبع دوم ۱۹۸۶ء) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۴- اشعار کی تخریج کی گئی ہے۔ حسبِ ضرورت فارسی اشعار کا ترجمہ بھی شاملِ حواشی ہے۔

۵- حواشی و تعلیقات کو حتی الوسع مختصر اور جامع بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے ساتھ مآخذ بھی دیے گئے ہیں۔ مآخذ میں صرف کتابوں اور مصنفین کے نام دیے گئے ہیں۔ ہر کتاب کی کتابیاتی تفصیل آخر میں "کتابیات" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

❋❋❋❋❋

زیر نظر کام کے سلسلے میں مجھے بہت سے اصحاب سے تعاون ملا اور کئی ایک کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (م: ۱۸ جولائی ۱۹۹۸ء) میرے مقالے کے نگران تھے۔ مقالے کے آغاز سے تکمیل تک کے مراحل میں مجھے ان سے مسلسل رہنمائی ملتی رہی۔ میں ان کا احسان مند ہوں اور ان کی مغفرت کے لیے دُعا گو ہوں۔ مولانا عبید الحق ندوی (م: اکتوبر ۲۰۰۴ء) نے نیاز کے بارے میں اور مقالے کے لوازمے سے متعلق اہم معلومات سے نوازا۔ سابق صدر شعبۂ تاریخ جامعہ پنجاب پروفیسر محمد اسلم (م:۶/ اکتوبر ۱۹۹۸ء) نے کئی امور میں رہنمائی کی بلکہ ذاتی کتب خانے سے استفادے کی اجازت دی۔ نواب مشتاق احمد خاں (م:۲۰/ فروری ۲۰۰۵ء) نے نیاز کے بارے میں بعض اہم معلومات فراہم کیں اور لواحقینِ نیاز سے بھی نیاز کے حالات زندگی، ایک تصویر اور خط کا نمونہ لے کر دیا۔ مکتبہ کارواں کے ناظم چودھری عبد الحمید (م:۲۸ نومبر ۲۰۰۴ء) نے بھی قیمتی مشوروں سے نوازا برادرِ گرامی ملک حق نواز خان (پیر زئی) کے ذاتی کتب خانے سے بھی بہت کچھ ملا اور انھوں نے کئی اہم نکات کی طرف متوجہ کیا۔ ڈاکٹر صابر کلوروی ہر نوع کی مدد کے لیے مستعد رہتے ہیں، انھوں نے بساط بھر میری رہنمائی کی اور میں نے قلندر آباد میں واقع ان کے کتب خانہ سے بھر پور استفادہ کیا۔ پروفیسر ظفر حجازی سے مقالے کے اہم نکات پر گفتگو رہی اور انھوں نے فراخ دلی کے ساتھ قیمتی مشوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر ایوب صابر، ڈاکٹر اختر راہی اور پروفیسر سلیم منصور خالد نے بھی نہایت مفید مشورے عنایت کیے۔ میں ان تمام حضرات کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

مقالے کی تکمیل کے لیے پنجاب پبلک لائبریری لاہور، میوزیم لائبریری لاہور، کتب خانہ جامعہ پنجاب اور مرکزی لائبریری واہ کینٹ کے عملے کا بھی ممنون ہوں۔

برادرِ گرامی پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا کئی طرح سے احسان مند ہوں۔ انھوں نے نہ صرف ایم فل کرنے کا مشورہ دیا اور قدم قدم پر رہنمائی کی اور ذاتی کتب خانے سے ہمہ

وقت استفادے کی اجازت دی بلکہ بھارت سے کچھ اہم لوازمہ بھی انھی کے ذریعے میسر آیا۔ اب نظر ثانی اور اضافات میں بھی ان کی مشاورت اور تعاون شامل رہا۔ اگر ان کی رہنمائی میسر نہ آتی تو یقیناً یہ کام بطریقِ احسن پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پاتا۔

عبداللہ شاہ ہاشمی

۱۱ر مئی ۲۰۰۶ء لاہور

پیش لفظ

طبع اوّل [۱۹۵۴ء]

علامہ اقبالؒ کے ۷۹ خطوں کا یہ مجموعہ طباعت کے لیے مکتوب الیہ کے دو صاحبزادوں خان افتخار الدین احمد اور خان نفیس الدین احمد کے ادبی ذوق کا مرہونِ منت ہے۔ اس میں صرف دو خط ایسے شامل ہیں جو شیخ عطاء اللہ صاحب کے مرتبہ مجموعۂ مکاتیب اقبال (اقبال نامہ) میں شائع ہو چکے ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ہیں۔ مکتوب الیہ خان نیاز الدین خاں مرحوم بستی دانش منداں (جالندھر) کے رئیس اور علم و ادب سے شغف رکھنے والے بزرگوں میں سے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً بغرض اصلاح علامہ مرحوم کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ ادبی موانست کے علاوہ ایک اور قدرِ مشترک کاتب و مکتوب الیہ میں یہ تھی کہ دونوں اعلیٰ نسل کے کبوتروں کے ناقد تھے۔ قارئین اس موضوع پر متعدد خطوط میں تصریحات پائیں گے۔

کسی مشہور و معروف علمی اور ادبی شخصیت کے نجی خطوط کی اشاعت ایک نازک مسئلہ ہے جس کے متعلق مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ خود علامہ مرحوم اس بارے میں ایک مخصوص نظریہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خان صاحب موصوف کو لکھتے ہیں:

> عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں۔ مگر اشاعت اُن کی نظر ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہ ہوں۔ اُمید ہے آپ میرے خطوط اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔

علامہ کی وفات کے بعد نظر ثانی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن شاید وہی بے ساختگی اور بے تکلفی جس کی طرف علامہ مرحوم نے مندرجہ بالا اقتباس میں اشارہ کیا ہے، ایک محبوب شخصیت کے مبہم گوشوں کو بے نقاب کرنے میں از حد مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مزید برآں اکثر خطوط میں علامہ مرحوم نے کسی نہ کسی اہم علمی یا ادبی موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور بڑے بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں جن سے اُن کے نظامِ فکر کی توضیح میں امداد لی جا سکتی ہے۔ اس لیے دلدادگانِ اقبال کو خان افتخار الدین احمد خاں اور خان نفیس الدین احمد خاں کا سپاس گزار ہونا چاہیے کہ وہ اپنے والدِ مرحوم کے اس ادبی اور علمی ورثہ کو تقسیم ملک کے بعد، سینے سے لگا کر مشرقی پنجاب کی پُر آشوب فضا سے نکال لائے اور اب اُس کی طباعت کا اہتمام بزمِ اقبال کے سپرد کر کے اقبالیات کے ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ کر رہے ہیں۔

ایس - اے - رحمٰن

یکم فروری ۱۹۵۳ء لاہور

تصدیق

میں نے اصل خطوط جو خان نیاز الدین خاں مرحوم کے صاحبزادوں کے قبضے میں ہیں، دیکھ لیے ہیں اور اُن کا مقابلہ اس مجموعے کی مشمولہ نقول سے بہ دقتِ نظر کر لیا ہے۔ خط ۳۲ اُس نقل کی نقل ہے جو خان نفیس الدین احمد صاحب کے مسودے پر موجود ہے، لیکن اصل خط کہیں پس و پیش ہو گیا ہے اور میری نظر سے نہیں گذر سکا۔ البتہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہ بھی علامہ مرحوم کے کسی خط کی صحیح نقل ہے۔ باقی خطوط مشمولہ مجموعہ ہذا کی نسبت تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ اصل خطوط کی صحیح نقول ہیں۔

ایس - اے - رحمٰن

۸/ جولائی ۱۹۵۴ء

ملاحظات

حضرت علامہ نے بڑی مصروف زندگی گذاری۔ روزگار کا بڑا شعبہ وکالت تھا۔ کاروبارِ وکالت ان کی رحلت سے تقریباً تین چار سال قبل تک جاری رہا— وہ کئی یونی ورسٹیوں کے ممتحن ہوتے تھے۔ پرچے دیکھنا بڑا اعصاب آزما کام ہے۔ یہ کام وقت کو کامل بے رحمی کے ساتھ کھاتا ہے۔ پرچے دیکھنے کے دوران میں ذہن دیگر ہر مسئلے کے باب میں شل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علامہؒ قومی و ملی معاملات میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں صدارت، وہاں تقریر، یہاں بیان، وہاں خطبہ، یہاں کانفرنس، وہاں ہنگامی پبلک جلسہ، اسی ضمن میں مختلف شہروں کی جانب بلکہ بعض اوقات بیرونِ ملک بھی سفر۔ مزید برآں یہ کہ دینی و ملی موضوعات پر ٹھوس مقالے اور مضمون جو اِس جریدے میں یا اُس اخبار میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کہیں وضاحت ہے، کہیں دعویٰ، کہیں استفساری جواب، کہیں جوابی استفسار ہے۔ پھر اس "مزید برآں" پر اضافہ یہ کہ وہ بہت بڑے شاعر تھے۔ مفکر شاعر، بلکہ فیلسوف شاعر۔ حقائق کی سوجھ بوجھ رکھنے والے، اوائل و عواقب پر غائر نگاہ ڈال کر اور بحرِ تخیل میں غواصی کر کے مضمون کا گوہرِ آبدار نکال لانے والے۔ اس پر مستزاد یہ کہ گوہرِ مضمون کی تراش خراش کے ضمن میں بھی ایسے دشوار پسند کہ خدا کی پناہ! وہ ٹھوس سلوں کو دھڑکتے ہوئے حساس دلوں میں تبدیل کرنے پر خونِ جگر کے قطرے کس پُر اضطراب ذوق وشوق کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اگر وہ فقط شاعری ہی کرتے اور جتنی کی ہے اس سے زیادہ بھی نہ کرتے تو جب بھی انھیں بڑا مصروف، بڑا محنتی اور بڑا جفاکش مانا جاتا، چہ جائیکہ ان کی یہ بے بہا اور بے بدل شاعری گوناگوں دیگر دھندوں کے ساتھ ساتھ عمل میں آتی رہی۔ درآں حالیکہ ہم ایسے درجنوں شاعرانِ نامور کو جانتے ہیں جنھوں نے شاعری کے سوا بالعموم کچھ کم

ہی کیا، اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے حاوی اکثریت ایسے شعراے عظام کی ہے جو زندگی کے باب میں کسی مربوط فکر کے مالک نہیں، جو رہبری نہیں کرتے، جو تخلیقِ خیال و مضمون اور ندرت و جدّت کے بھی شاذ ہی مرتکب ہوتے ہیں۔ معمولاً ان کی توجہ کو کسی اعلیٰ مضمون کے بجائے کسی گرے پڑے قافیے نے نکیل ڈال رکھی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اپنی اس درجے کی شاعری کو بھی بڑی تنک مزاج اور رقیب الفطرت محبوبہ جانتے ہیں جو اپنے لیے شاعر کی توجہ کے مرکزِ وحید سے ذرا بھی کم تر حیثیت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ ان کی شاعری کو کوئی سوکن گوارا نہیں۔ اپنے پرستار کی توجہ میں کسی اور شے کا اشتراک گویا شرک ہے۔ کوئی بھی محبوبہ اشتراکی یعنی اشتراک پسند نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ محبوبہ جسے شاعری کہتے ہیں۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ حضرت علامہ نے اس معمولاً سرکش محبوبہ کو بھی تابع حکم رکھا ہوا تھا۔ وہ ان کی ترجمان مگر خادم تھی — ہمدرد اور دمساز خادم — مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین کے خالق اور حسن بیان کے مالک تھے، وہ عام شاعروں کی طرح اپنی شاعری کے مخلوق اور قوافی کے مملوک نہ تھے۔ اس کے باوصف یہ حقیقت اپنی جگہ بڑی مرعوب کن اور باوقار حقیقت ہے کہ حضرت علامہ نے جتنی شاعری کی اور جس پائے کی شاعری کی، اس نے ان کی زندگی کے قیمتی ایام کے خزینے میں سے اَن گنت نذرانے وصول کیے ہوں۔

ان کے سوانح سے عیاں ہے، کہ ان جملہ مذکورہ شعبہ ہاے مصروفیت میں ملاقاتوں کی مصروفیت کو بھی نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ صبح ہوئی اور ملاقاتی نازل ہونے لگے، رات پڑ گئی اور ملاقاتیں جاری، ملاقاتیں اور باتیں۔ ہر نوع کے ملاقاتی اور ہر معیار کی باتیں — ہر درجۂ فکر و نظر کے ملاقاتی اور اسی لحاظ سے قابلِ فہم باتیں، متناسب اور متوافق باتیں — ستم یہ ہے، اس سب کچھ کے باوصف وہ پڑھتے بھی رہتے تھے اور خطوط بھی لکھتے تھے، خطوط بالعموم اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ عمر کے آخری حصے میں جب نظر کمزور ہو گئی تو املا بھی کرانے لگے تھے، اور مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ عرصہ کامل سال کا عرصہ نہیں بنتا جب انھوں نے خود اپنے قلم سے خط لکھنا بالکل ترک کر دیا ہو، مجھے یاد ہے میں نویں یا دسویں کا طالب علم تھا جب میں

نے ایک خط مئی ۱۹۳۷ء کا حضرت علامہ کے اپنے ہاتھ کا قریشی محمد عبداللہ شاہ مرحوم (ایڈووکیٹ سرگودھا) کے یہاں دیکھا تھا، اس خط کے مخاطب خود قریشی صاحب موصوف ہی تھے اور یہ خط حضرت علامہ نے قریشی صاحب کے چچا قریشی علی مردان شاہ مضطر ہاشمی شاہ پوری کی وفات پر بطورِ تعزیت لکھا تھا، عنوان تھا: ''ڈیر عبداللہ شاہ''۔ مضطر ہاشمی مرحوم کے حضرت علامہ سے نیاز مندانہ و دوستانہ روابط تھے۔ وہ فارسی اُردو میں شعر کہتے تھے، فارسی میں مولانا گرامی سے اصلاح لیتے تھے۔

اب ذرا اہل نظر غور فرمائیں کہ حضرت علامہ نے ان گوناگوں اور بے حساب مصروفیتوں کے باوصف اتنے خط کیوں کر تحریر کر ڈالے؟ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سیکڑوں خطوط جو زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، حضرت علامہ کے خطوط کا میزانِ کُل نہیں۔ خدا جانے وہ خطوط جو ضائع ہو گئے کتنے تھے، ابھی درجنوں خطوط مختلف عزیزوں اور بزرگوں کے پاس موجود ہیں جو کسی مجموعے میں شامل نہیں۔

تقسیمِ برعظیم کے باعث بھی ان خطوط کا ایک بیش قرار مجموعہ برباد ہوا، تاہم جس قدر خطوط مختلف مجموعوں میں چھپ چکے ہیں، ان کی تعداد بھی حیرت ناک حد تک زیادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالب کے سوا اُردو کے شاید ہی کسی دوسرے شاعر نے اتنے خطوط لکھے ہوں، یہ الگ بات ہے کہ غالب نے اُردو خطوط اُس دور میں لکھے جب وہ شاعری تقریباً ترک کر چکے تھے، خصوصاً ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد تایومِ وفات تقریباً بارہ برس مرزا غالب کی غالب مصروفیت خط لکھنا تھا۔ مکتوب نگاری مرزا غالب کا مشغلہ حیات بن گئی تھی۔ وہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں اگر خط نہ لکھتا تو لفافے بنایا کرتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مرزا غالب کے خطوط کا ایک حصہ محض خیریت پُرسی اور خیریت نویسی پر منحصر تھا۔ غالب مکتوب الیہ کو جلیس و ندیم جان کر مکالمے کی تسکین کر لیتے تھے ـــ یہ احساس تنہائی کا شاخسانہ تھا اور غزل کے قاصد و پیامبر نے ڈاکیے کا رُوپ دھار لیا تھا۔

اس کے مقابل حضرت علامہ کے خطوط کی کثرتِ کثیرہ لوگوں کے مکاتیب کا جواب ہے۔ وہ مکتوب الیہم کم ہیں جن کی طرف حضرت علامہ نے خط لکھنے میں پہل کی، محض تنہائی سے گھبرا کر یا فارغ ایام کی شکم پُری کے لیے انھوں نے شاید ہی کبھی خط لکھا ہو، ان کے پاس فالتو وقت تھا ہی کہاں، بلکہ اُلٹا حیرت ہوتی ہے کہ وہ ہر خط کا جواب لکھنے کے لیے وقت نکال کیسے لیتے تھے، اور یہ امر اپنی جگہ حقیقت ہے کہ وہ ہر خط کا جواب دیتے تھے۔ ان کے وہ رفقا جن کی زیارت کا ہمیں شرف حاصل ہوا ہے سب اس امر کے مویّد ہیں کہ حضرت علامہ خواہ دوسطری جواب دیں مگر خط کا جواب ضرور دیتے تھے اور حتیٰ الامکان جلد از جلد۔

حضرت علامہ نے اپنے والد بزرگوار اور بڑے بھائی شیخ عطا محمد اور اسی طرح دیگر اعزہ و اقربا کو بھی بہت سے خط لکھے۔ ظاہر ہے کہ ان خطوط میں خانگی اور ذاتی معاملات بھی عنوان تحریر بنے ہوں گے۔ ان خطوط میں کچھ تو بعض کتب میں آ گئے مگر خاصی اکثریت تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ پچھلے یوم اقبال پر یعنی ۲۱ اپریل ۱۹۸۱ء کو جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے اپنے خطبے میں دو تین غیر مطبوعہ مکاتیب کا ذکر کیا تھا جو حضرت علامہ نے اپنے والدِ بزرگوار کو لکھے اور جن میں حضرت علامہ نے اپنے روحانی احوال و مسائل کا ذکر کیا تھا۔ وہ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال عنقریب بہت سے ایسے خطوط جن کے مکتوب الیہ حضرت علامہ کے والد بزرگوار شیخ نور محمد تھے، طبع ہو کر منصہ شہود پر آ جائیں گے۔

زیر نظر مجموعۂ مکاتیب کے مکتوب الیہ خان محمد نیاز الدین خاں ہیں جو بستی دانش منداں ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ اس مجموعے کا پہلا اڈیشن بزم اقبال لاہور نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا، اس مجموعے کے آغاز میں مرحوم جسٹس ڈاکٹر ایس اے رحمٰن صاحب نے اپنی تصدیق ثبت کی تھی کہ طبع ہونے والے خط مطابقِ اصل ہیں۔ مجموعے میں شامل اناسی (۷۹) خطوط میں سے فقط ایک کے باب میں جناب ایس اے رحمٰن نے یہ فرمایا کہ اس کا اصل سے مقابلہ نہیں کیا گیا۔

آج تک حضرت علامہ کے آٹھ نو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ابھی مزید ہوں گے، ایک ہی مکتوب الیہ کی جانب مرقوم خطوط کا ایک مجموعہ وہ ہے، جن کے مکتوب الیہ مہاراجا کشن پرشاد ہیں۔ دوسرا مجموعہ ان خطوط پر مبنی ہے جو عطیہ فیضی کو لکھے گئے، وہ اصلاً انگریزی میں تھے، اردو میں ان کا ترجمہ شائع ہوا۔ اسی طرح ایک مجموعہ ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو مولانا گرامی کے نام مسطور ہوئے — ہر مکتوب کا متن بتا دیتا ہے کہ مکاتیب کے طرفین کے مابین تکلف یا بے تکلفی کا درجہ کیا ہے — بالعموم علامہ کے خطوط میں سنجیدگی کا پہلو سب دیگر اوصاف سے نمایاں تر ہے، محض کہیں کہیں کسی مطائبے یا کسی ظرافت و طنز کی سی صورت پیدا ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ نسبتاً زیادہ بے تکلف صرف انھی خطوط میں ہیں جن کے مخاطب مولانا گرامی ہیں۔ ویسے ہونا یہ چاہیے تھا کہ حضرت علامہ کے خطوط کا ایک حصہ واقعی بے تکلف ہوتا۔ ان کے حاضرین مجلس بتاتے ہیں کہ وہ باتوں باتوں میں فی البدیہہ لطیفے پیدا کر لیتے تھے۔ چنانچہ مرزا غالب نے جو خط بے تکلف دوستوں کے نام رقم کیے، وہ شگفتگی اور زندہ دلی کا آہنگ لیے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مکتوب الیہم کی دلچسپی کے مطابق ہی مکاتیب میں امور رقم پذیر ہوتے ہیں۔ علامہ نے جو خطوط مختلف مکتوب الیہم کے نام لکھے، ان میں شاید ہی کسی اور مکتوب الیہ کے ساتھ کبوتروں کے باب میں اپنے شوق کو یوں بے تکلفی کے ساتھ بیان کیا ہو، اور پتا چلتا ہے کہ حضرت علامہ کو کبوتروں سے اچھا خاصا شغف تھا۔ مثلاً مکتوب نمبر ۱۶ میں فرماتے ہیں:

”کچھ مضائقہ نہیں اگر شیخ عمر بخش صاحب کبوتر نہیں لائے، میں چاہتا ہوں کہ کبوتر یہاں اکتوبر میں آئیں۔ اس سے پہلے نہ آئیں، میں چند روز تک سیالکوٹ جانے والا ہوں“۔

مکتوب نمبر ۱۷ میں کبوتروں کے مل جانے پر شکریہ ادا کیا گیا ہے، پھر مکتوب نمبر ۱۹ میں کبوتروں کے دو جوڑے مل جانے کا ذکر ہے۔ مکتوب نمبر ۲۹ بڑا دلچسپ ہے، یہ مکتوب ایک طرح سے کبوتر نامہ یا نامۂ کبوتر بھی قرار پا سکتا ہے:

کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت عطا فرمائے تھے، ان میں سے ایک جوڑا بچے نہیں دیتا، انڈے توڑ دیتا ہے، اور دوسرے کبوتروں کے نیچے بھی اس کے انڈے رکھے جائیں تو بچے نہیں نکلتے۔ دوسرے جوڑے نے بچے نکالے مگر ان میں دو جو بہت اڑتے تھے شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے — ایک باقی ہے، جوڑے میں نر ضعیف اور کمزور ہے — میں نے لدھیانے بھی لکھا ہے اور شاہ جہان پور سے بھی ان شاءاللہ کبوتر آئیں گے۔

آپ کے صاحبزادے نے ذکر کیا تھا کہ فیروز پور میں کوئی شخص ہے جو کبوتروں کو مستقل رنگ دے سکتا ہے، جو رنگ ان کے بچوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ مہربانی کر کے صاحبزادے سے دریافت کیجیے کہ اس آدمی کا پتا کیا ہے، کل کرنل سٹیفن صاحب سے کبوتروں کے متعلق بہت گفتگو ہوئی۔ انھوں نے چند کتابوں کے نام لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

(کبوتر داروں کو کبوتر دار کہاں کہاں سے اُڑ کر آن ملتے ہیں)۔

اسی طرح نمبر ۴۰ میں انھی انڈے توڑ دینے والے کبوتروں کا پھر ذکر ہے اور مزید ایک دو جوڑے کا مطالبہ ہے۔ مکتوب نمبر ۴۱ میں مرقوم ہے: ”سیالکوٹ، گجرات اور شاہ جہان پور سے کبوتر منگوائے مگر اتنی تعداد اچھے خواص کی، کسی نسل میں جمع نہیں جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہری شکل خوب صورت اور اس کے ساتھ اڑان اور کھیل“۔ پھر یہی مضمون مکتوب نمبر ۵۱ میں دہرایا گیا ہے: ”کبوتر بہت سے شاہین نے ضائع کر دیے، آپ کے کبوتر ایک دو کو چھوڑ کر سب محفوظ ہیں“۔

گذشتہ سطور سے یہ تو واضح ہو گیا کہ نیاز الدین خاں کے صاحبزادے کا ذوقِ کبوتر داری بڑا مصفّا تھا اور یہی عالم حضرتِ علامہ کا تھا، وہ بھی خاصے کبوتر شناس اور کبوتر پرور تھے۔ نیز یہ کہ علامہ، کبوتر، صرف خان نیاز الدین خاں ہی کے یہاں سے نہیں حاصل کرتے تھے بلکہ اور مقامات سے بھی کبوتروں کی رسد پہنچتی تھی۔ مکتوب نمبر ۴۲ بڑا دلچسپ ہے۔ اس میں علامہ کا طبعی طنز اور پھر شریفِ مکّہ کی ۱۹۱۷ء والی کارستانی پر حضرت علامہ کی رنجیدگی جھلک رہی ہے، لکھتے ہیں:

نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے کنج پورہ سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ دیکھنے میں وہ نہایت اچھے ہیں، کیا عجب کہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں۔ چونکہ بھیجنے والا بانیِ کعبہ کا ہم نام ہے اس

واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دے دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ آج کل کے کبوترانِ حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی فارسی استاد کا شعر تھا، میں نے اس پر ایک اور شعر لگا کر شریفِ حرم کو خطاب کیا ہے۔

با مرغِ حرم از منِ دل سوختہ فرما
اے آنکہ بصحرا نفس آزاد برآری!
جویائے گلستانی و از طالعِ گمراہ!
ترسم کہ سر از خانۂ صیاد برآری

زندہ دلی اور طنز کی ایک جھلکی سی مکتوب نمبر ۵۱ میں بھی ہے۔ ارشاد ہے: ''آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں''۔

یہی زندہ دلی دو ایک مقام پر حضرت گرامی کے ذکر میں جلوہ ساد کھاتی ہے، کہتے ہیں:

گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انھیں شک نہ رہتا۔ امید کہ ان کا روپیہ حیدر آباد سے آ گیا ہو گا، لیکن اگر پریشانی ان سے ایسے اشعار لکھواتی ہے تو اہلِ ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیے کہ ان کا منصب بند کر دیا جائے۔

مکتوب نمبر ۲۸ میں رقم طراز ہیں:

تعجب ہے کہ آپ غزل تو مولوی گرامی صاحب کی صحبت میں لکھیں اور اصلاح کے لیے مجھ سے ارشاد ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سرمہ ہندوستان سے خرید کرنا... ان [گرامی] سے کہیے کہ علم کی ہجو میں کوئی شعر فرمایئے مگر صوفیانہ رنگ میں نہ ہو، یعنی العلم حجاب الاکبر کا رنگ نہ ہو۔

مکتوب نمبر ۲۴ میں بھی گرامی صاحب کا ذکر ہے:

گرامی صاحب کی صحبت، نیاز کو نظامی بنا ڈالے گی، — گرامی صاحب کی تپ کوئی بات نہیں، شاعروں کو قدرتی تپ ہوتی ہے۔

ہر خط، لکھنے والے کی ''سیرت'' کا کچھ نہ کچھ پرتو ضرور ہوتا ہے۔ ان خطوط میں بھی، جو ظاہر ہے کہ اکثر نیاز الدین خاں صاحب کے مکاتیب کے جواب میں مسطور ہوئے، باہمی دلچسپی کی باتیں سامنے آئیں۔ کبوتر، شاعر، مولانا گرامی ـــــ اس کے علاوہ نیاز الدین خاں کا بھی علامہ کی طرح دینِ اسلام اور تصوف سے شغف ظاہر ہے ورنہ حضرت علامہ ان سے اس موضوع پر بات کیوں کرتے، مثلاً خط نمبر ۲ میں مرقوم ہے:'' تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں، دو باب لکھ چکا ہوں یعنی منصور حلاج تک پانچ چار باب اور ہوں گے۔'' ابن جوزی نے تصوف پر جو کچھ لکھا، اس کا بھی ایک حصہ کتاب کے ساتھ چھاپنے کا ارادہ تھا۔ لکھا ہے کہ مترجم سے میں نے اجازت لے لی ہے۔

[اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں:]

تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت قابلِ قدر ہے۔ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفے کا حصہ محض بے کار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیمِ قرآن کے مخالف...... ظاہر شریعت ہے اور تصوف باطن۔ لیکن اس پر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوّف ہے، معرضِ خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطن کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟

اسی ضمن میں مکتوب نمبر ۵ ایک مضمون کا حوالہ بردار ہے جو مجلہ وکیل میں شائع ہوا تھا اور جس کا عنوان تھا: ''علمِ ظاہر و علم باطن''۔ مکتوب نمبر ۵ ہی میں علامہ کہتے ہیں: ''ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ آج تک غالباً ایسا نہیں لکھا گیا۔ جن علما نے تصوفِ وجودیہ کی مخالفت کی ہے، ان کی توجہ کبھی اس طرف نہیں ہوئی۔ آپ دیکھیں گے تو داد دیں گے''۔

محولہ بالا سطور سے عیاں ہے کہ مکتوب الیہ کو تصوف سے خاصی دلچسپی تھی، ورنہ انھیں اس باب میں مخاطب نہ بنایا جاتا۔ مگر ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ تصوف جس کا ایک حصہ لکھا جا چکا تھا، بیچ ہی میں کیوں دھری رہ گئی؟ اور وہ اوراق جن پر آغاز کے ابواب مرقوم تھے کہاں ہیں؟ حضرت علامہ ملفوظات اور مکتوبات میں بعض دیگر موضوعات

پر بھی کتب مرتب کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، مگر وہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ بعض مقالات جو لکھے گئے اور چھپ گئے، ایسے بھی ہیں جو ابھی تک کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوئے۔ کوئی جو ان دیوانہ کھوجی ہمت کرے، ڈھونڈے اور "تالیفِ نسخہ ہائے وفا" سے مشرف ہو۔

سطورِ بالا میں عجمی تصوف کے باب میں حضرت علامہ کا نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے آجاتا ہے اور اس باب میں حضرت علامہ کے احساسات کی شدت اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ عجمی تصوف نے مسلمانوں کو اسلام کی اصل روح سے بے حد دور کر دیا ہے، ان کی اصلاح بڑی ہی مشکل ہے حتیٰ کہ مکتوب نمبر ۵۷ میں ارشاد ہوتا ہے: "خود نبی اکرمؐ آکر تعلیم دیں تو موجودہ حالات اور کیفیات کے باعث لوگ حضورؐ کی تعلیمات کو سمجھ نہ سکیں گے"۔

قرآن کریم سے شغف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت اور محبت حضرت علامہ کے لیے بمنزلہ روحِ ایمان و آگہی ہے۔ ان خطوط میں بھی اس کیفیت کی جھلکی دیکھی جاسکتی ہے مثلاً مکتوب نمبر ۵۴ میں تحریر ہوا ہے:

> نبی کریمؐ کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت ہے۔ دوسری رویا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب، محمدیؐ نسبت پیدا کرے، اس نسبتِ محمدیہؐ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔

آخری جملہ ہی وہ حقیقت ہے جو مکاتیبی ادب کی اہمیت کی جان ہے۔ "اس واسطے خاموش رہتا ہوں" ——— یعنی وہ لوگ جو ارواح سے استمداد کو رشتۂ محبت و اُنس سے کاٹ کے کسی اور معنی پر مدلول قرار دیتے ہیں، شاید یہ بات برداشت نہ کریں کہ حضور نبی اکرمؐ کو

زندہ مانا جائے۔ وہ اس پر بھی بگڑیں گے کہ آپؐ کی صحبت سے اسی طرح فیض براہِ راست حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے حضورؐ کے اصحاب کرامؓ حاصل کرتے تھے۔ حضرت علامہ نے یہ بات خط میں کھل کر کہہ دی ہے —— حق یہ ہے کہ خطوط کو سنبھالنے اور پھر منصہ شہود پر لانے کے لیے یہی امر توقیع جواز ہے کہ لکھنے والا خطوط میں بہت سی ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جو وہ عام قارئین کے لیے تحریر نہیں کرتا۔ خط ایک طرح سے دمسازی اور رازداری کا شعبہ ہے، خط میں، لکھنے والا، کچھ نہ کچھ "بے تکلفی" اور "بے احتیاطی" کر ہی بیٹھتا ہے لہٰذا خانۂ دل میں مستور رہنے والے اسرار بھی اہل نظر سے تانک جھانک کر لیتے ہیں ——میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علامہ کے افکار و عقائد کو سمجھنے کے لیے ان کے مکاتیب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

غالب کی شاعری، غالب کے افکار و تخیل کی رنگارنگی سے متعارف کرا دیتی ہے مگر غالب ایک فردِ منفرد کی حیثیت سے سامنے نہ آتے اگر مکاتیب غالب کی فراواں مقدار ہدفِ مطالعہ نہ بنتی۔ اسی طرح سر سید احمد خاں کے مقالات و خطبات کا معاملہ ہے۔ ان میں سر سید ایک مردِ متعقل و متکلم نظر آتے ہیں۔ کڑی منطق، خشک استدلال، مگر وہ سر سید جو زندہ دل، جذباتی، دینِ رسول کے شیدائی اور دوست پرور شخصِ محترم تھے، وہ اپنی بھرپور شانِ دل آویزی کے ساتھ اپنے خطوط ہی کے آئینے میں اُبھرتے ہیں۔

حضرت علامہ کا معاملہ خاصا مختلف ہے، ان کی حیات عقلی و قلبی ایک "شجرہ طیبہ" کے بطور جس طرح تدریجاً ارتقا پذیر ہوئی، وہ ان کے اشعار سے بالکل عیاں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے مضامین، مقالات، خطبات، بیانات، ملفوظات وغیرہ ہیں جو بہت کچھ بتا دیتے ہیں، اس کے باوصف بہت سی وضاحتیں اور شرحیں، بہت سی اُمنگیں اور آرزوئیں ایسی ہیں جو فقط ان کے خطوط میں ملتی ہیں۔ وہ کیا کیا کچھ لکھنا چاہتے تھے اور نہ لکھ سکے، یہ امر بھی ان کے خطوط ہی سے عیاں ہے، جس سے پتا چل جاتا ہے کہ بعض موضوع اور بعض پروگرام انھیں کتنے عزیز تھے اور یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ وہ کیوں اتنے عزیز تھے۔

نیاز الدین خاں کے ساتھ یہ مکاتبت جہاں یہ بتاتی ہے کہ مکتوب الیہ دین دار، متصوف اور متدیّن شخص تھے، وہاں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ وہ شعر گوئی سے بھی قدرے شغف رکھتے تھے۔ یہ امر بھی واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ انھیں حضرت علامہ سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے مگر حضرت علامہ ہیں کہ نیت و ارادہ کے باوصف جالندھر نہیں پہنچ سکتے، کبھی عدمِ فرصت حائل، کبھی طبیعت کی ناسازی —— ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رفتہ رفتہ انفرادی ملاقات محض برائے ملاقات کا حضرت علامہ کے دل سے شوق ختم ہوتا جا رہا تھا —— بلکہ وہ احباب اور اہلِ عقیدت کے جمگھٹے میں بھی شدید احساسِ تنہائی میں مبتلا رہتے تھے، مثلاً مکتوب نمبر ۸ میں رقم کیا ہے: ”میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں، مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں“۔

حق یہ ہے کہ جس نے سوچا، رہ گیا تنہا —— وہ لوگ جو عقیدے اور اصول کے ساتھ جیتے ہیں اور زندگی میں بلند مقاصد پیش نظر رکھتے ہیں وہ بظاہر کتنے ہی جلوتی ہوں دراصل سراسر خلوتی رہتے ہیں۔ یہ امر اُنھیں زندگی کے عام امور سے کچھ ایسا بے نیاز بنا دیتا ہے کہ عام دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے حالانکہ شخصِ متعلق کے لیے اس میں معمول سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ حضرت علامہ کے ان مکاتیب سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بے نیازی خود کھانے پینے کے معاملات میں بھی کار فرما تھی۔ مثال کے طور پر مکتوب نمبر ۱۰ میں لکھتے ہیں: ”کھانے کی چیزوں میں فقط یہی ایک چیز [آم] ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، باقی چیزوں کے لیے خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ روزمرہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں“۔

یہی بے نیازی ایک سے زیادہ خطوں میں ایک اور باب میں بھی نظر آتی ہے، مثلاً نیازالدین خاں علامہ کی کسی غزل کی نقل چاہتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ کسی وقت ڈھونڈوں گا، غزل سامنے نہیں، ایک جگہ یہ جواب دیا کہ غزل سامنے نہیں ہے۔ مل گئی، نقل کرا دوں گا اور بھجوا دوں گا، ورنہ جب آپ لاہور تشریف لائیں تو خود نقل فرمالیں —— کسی شاعر

سے کوئی اس کے کسی شعر پارے کی نقل مانگے تو یہ بات شاعر کے لیے باعثِ مسرت و افتخار ہوتی ہے لیکن علامہ اس معاملے میں بھی بس ''اللہ لوگ'' تھے، پنجابی میں ''اللہ لوک'' درویش اور بہت ہی بے نیاز و بے پروا شخص کو کہتے ہیں۔

ان خطوط میں بھی حضرت علامہ کی صحت کا منظرِ خرابی بار بار جلوہ دکھاتا ہے۔ گویا ۱۹۱۶ء میں بھی دردِ گردہ کا دورہ پڑا تھا۔ وہ رمضان کے دن تھے۔ اور حضرت علامہ کے روزے خراب ہوئے تھے۔ بیماریاں بڑھتی ہی رہیں حتیٰ کہ ہوتے ہوتے حضرت علامہ مرکب امراض کا مرکب بن گئے، مگر روح وہ پختہ کار اور مضبوط راکب تھی۔ اس کی کارروائی میں تادمِ آخر کوئی خلل دَر نہیں آیا۔

یہ خط جنوری ۱۹۱۶ء سے لے کر جون ۱۹۲۸ء تک کے تقریباً ساڑھے بارہ برس کے عرصے کو محیط ہیں۔ تعداد ۹۷ ہے، اکثر مختصر خطوط ہیں مگر بہر حال اپنے کاتب کی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ ان مکاتیب سے خان نیاز الدین صاحب سے بھی قدرے تعارف ہو جاتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ننھے منے سے مجموعۂ مکاتیب نے خان صاحب کو حیاتِ جاوید بخش دی۔ مردانِ حُر دوامی قدروں کی طرح لافانی ہیں۔ ان مردانِ حُر سے ذرا سی نسبت بھی لافانی بنا دیتی ہے۔

(پروفیسر) محمد منور
ڈائریکٹر
اقبال اکادمی پاکستان

مقدمہ

تمہید:

انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے جو پیرایہ بھی اختیار کرتا ہے، اِس سے اُس کی شخصیت کا کوئی نہ کوئی پہلو سامنے آتا ہے لیکن نجی خطوط کو جملہ طریقہ ہاے اظہار پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ ان سے مکتوب نگار کی شخصیت کے بہت سے مخفی گوشے بلکہ اس کی پوری شخصیت آشکار ہوتی ہے۔

خطوط نویسی ایک نجی معاملہ ہے اس لیے ان میں خیالات و محسوسات اور حالات و واقعات کا اظہار بے باکانہ ہوتا ہے اور شخصیت کے وہ تمام گوشے بے نقاب ہوتے ہیں جو عموماً اشعار میں اس قدر واضح انداز میں سامنے نہیں آتے۔ اس لیے کسی شخص کی فکری و ادبی حیثیت کے تعین اور سوانح نگاری کے لیے، مشرق و مغرب میں نجی خطوط کو مستند ترین شہادت تسلیم کیا جاتا ہے۔

اقبالیاتی مصنفین اور اداروں نے مکاتیبِ اقبال پر ایک مدت تک خاطر خواہ توجہ نہیں دی، اس لیے اقبال کے بہت سے خطوط زمانے کی دست بُرد سے محفوظ نہیں رہ سکے، تاہم اس وقت تک سترہ سو سے زائد مُدوّن و غیر مُدوّن خطوط دریافت ہو چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ خطوط نہ صرف مواد و مشمولات بلکہ ثروتِ افکار کے لحاظ سے بھی اقبالیاتی ادب میں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں، اس لیے کہ یہ اقبال کی نجی و شخصی زندگی، ان کے رجحانات اور دلی کیفیات کے ترجمان ہیں اور ان کی شعری و نثری تحریروں کے شارح بھی ہیں۔ ان میں ایک طرف تو قیمتی سوانحی مواد ملتا ہے اور دوسری طرف یہ اپنے عہد کی تاریخ بھی ہیں۔

مکاتیبِ اقبال بنام نیاز:

مکاتیب اقبال کے متعدد مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ان میں سے بعض مجموعے تو بہت توجہ اور سلیقے سے مرتب و مدّون کیے گئے ہیں جیسے: مکاتیب اقبال بنام گرامی، مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی، خطوطِ اقبال اور اقبال بنام شاد۔ اقبال نامہ کی پہلی جلد ڈاکٹر تحسین فراقی مرتب کر چکے ہیں۔ اقبال جہانِ دیگر کو پروفیسر ظفر حجازی نے ایم فل کے مقالے کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ خطوطِ اقبال کا ایک اہم مجموعہ مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خاں ہے جسے بزم اقبال لاہور نے جولائی ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ اور دوبارہ اسے ۱۹۸۶ء میں اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے چھاپا۔ تیسری بار اسے پھر بزم اقبال لاہور نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ مگر اس پر ابھی تک خاطر خواہ حواشی تحریر نہیں کیے گئے تھے حالانکہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

یہ مجموعۂ خطوط، اقبالیات میں کئی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔

علامہ اقبال نے جس دور (۱۹۱۶ء - ۱۹۲۸ء) میں یہ خطوط تحریر کیے، وہ اقبال کے فکر و شعور کی پختگی کا دور تھا اور ان کی تخلیقی قوتیں پوری طرح بیدار اور توانا تھیں۔ اس دور میں اقبال کے شعری مجموعے رموزِ بے خودی (۱۹۱۸ء)، پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء)، بانگ درا (۱۹۲۴ء) اور زبورِ عجم (۱۹۲۷ء) منصہ شہود پر آئے۔ اسرارِ خودی چند ماہ قبل (۱۹۱۵ء) میں چھپ چکی تھی لیکن وجودی تصوّف پر اعتراضات کے جواب میں اقبال نے متعدد مقالات تحریر کیے اور علمی و دینی شخصیات کو خطوط لکھے۔ اسی قلمی معرکہ آرائی کے زمانے میں اقبال نے نامکمل تاریخ تصوف لکھی۔ ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر نکلسن نے اسرارِ خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یورپ میں اس پر متعدد تبصرے لکھے گئے جو مغربی دنیا میں اقبال کی شہرت کا سبب بنے۔ ۱۹۲۳ء میں علامہ کو "سر" کا خطاب ملا۔ انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ علی گڑھ تحریک سے بھی ایک قلبی تعلق رہا۔ اسی ہنگامہ خیز دور میں برعظیم میں سیاسی مدّوجزر پیدا ہوا۔ جلیانوالہ باغ کا واقعہ، جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا

خاتمہ، پنجاب میں مارشل لا کا اجرا اور کئی دیگر اہم واقعات اور تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات نے ہندستان کی سیاسی زندگی میں ہلچل برپا کی۔ اقبال بھی ان عصری تحاریک سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے عملی سیاست میں حصہ لیا اور ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ان خطوط میں حیاتِ اقبال کے اس اہم دور کی جھلکیاں موجود ہیں۔ یہ خطوط حیاتِ اقبال کے کئی گوشوں کو بے نقاب کرتے ہیں تاہم ان میں بہت سے امور وضاحت اور تحقیق طلب ہیں۔

اقبال کے مکتوب الیہ خان نیاز الدین خاں اپنے دور کی اہم اور مقتدر شخصیت تھے۔ انھیں تصوّف سے دلچسپی تھی، سخن ور تھے اور سخن فہم بھی۔ انھوں نے گھر میں اچھی نسل کے کبوتر پال رکھے تھے۔ اس طرح تصوّف اور دین و شریعت سے لے کر شعر و شاعری، سیاست اور کبوتر داری تک بہت سے مشاغل تھے اور بہت سی خوبیاں بھی جو مکتوب نگار اور مکتوب الیہ میں مشترک تھیں۔ اقبال اور ان کے دیگر اہم مکتوب الہیم میں سے کسی ایک کے درمیان اس قدر مشترک باتیں اور دلچسپی کے اتنے سامان یک جا نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اقبال نے نذیر نیازی، شاد اور گرامی کے علاوہ اتنی طویل مدت تک اتنے زیادہ خطوط صرف نیاز ہی کے نام تحریر کیے۔ اس اہم مکتوب الیہ کی زندگی کے بارے میں کچھ بکھرا ہوا مواد تو ملتا ہے لیکن ان کے حالات کی تفصیل ابھی تک یک جا نہیں ہو سکی اور نہ اقبال و نیاز کے روابط و تعلقات کی تفصیل سامنے آئی ہے۔

نیاز اور اقبال کی مراسلت کا آغاز ۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء کو ہوا اور یہ دور (اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد) عجمی تصوف کے حامیوں سے اقبال کی قلمی معرکہ آرائی کا دور ہے۔ پہلا خط ہی تصوف کے بارے میں ہے۔ گو اس مجموعے میں تصوف کے بارے میں خطوط کی تعداد سات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن ان سات خطوں میں اس موضوع پر نہایت اہم اور ٹھوس مواد یک جا نظر آتا ہے۔ اقبال نے جو تاریخ تصوف لکھنا شروع کی، اس کے مسالے کے

بکھرے اجزا اور بعض دیگر اہم حوالے ان خطوط میں ملتے ہیں۔ اقبال نے پورے ذخیرۂ مکاتیب میں تصوف کے موضوع پر اتنالوازمہ کہیں اور یک جا نظر نہیں آتا۔

موضوعات کے لحاظ سے پورے مکاتیبی ادب میں اقبال کے ذوقِ کبوتر پروری کے نمایندہ یہی خطوط ہیں۔

ان کے بڑے بیٹے نو بہار الدین خاں کبوتروں کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ اعلیٰ نسل کے یہ کبوتر باقاعدگی سے اقبال کو بھی بھجوائے جاتے تھے۔ اقبال کو یہ شوق بچپن سے تھا اور ان کے سوانحی ذخیرے میں کئی جگہ کبوتروں سے اس گہری دل چسپی کے سبب کبوتروں کی خصوصیات اور ان کی نسلوں اور کبوتروں پر کتابوں کے بارے میں بہت سی دلچسپ باتیں ان خطوط ہی میں درج ہیں۔ اس طرح یہ خطوط اقبال کے نجی زندگی کے ایک خاص اور دلچسپ پہلو کی نشان دہی کرتے ہیں۔

مولانا گرامی سے اقبال اور نیاز دونوں کے مراسم نہایت گہرے تھے۔ براہِ راست خط کتابت کے علاوہ بقول خان نفیس الدین خاں: "علامہ بعض مرتبہ اپنے اشعار والد مرحوم کی معرفت مولانا کو بھیجتے تھے اور مولانا اُسی ذریعے سے علامہ مرحوم کو ......" (ہفت روزہ لاہور، ۹مارچ ۱۹۶۴ء)۔ اقبال فارسی شاعری کے بارے میں مولانا گرامی سے مشورہ لیتے۔ نیاز بھی مشورہ لیتے مگر اس کے ساتھ وہ اقبال سے بھی استفادہ کرتے۔ ان خطوط میں گرامی کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ اصحاب ثلاثہ فارسی شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، اس لیے ان خطوں میں فارسی کے بعض نامور اساتذہ اور ان کی شاعری کا ذکر ملے گا۔ اس طرح اقبال کے شعری مجموعوں کی اشاعت، بعض اشعار کا پس منظر اور مفاہیم و مطالبِ زیر بحث آئے ہیں۔ خصوصاً اقبال کا داد دینے کا انداز ان خطوں کے ذریعے سامنے آتا ہے۔

ایک اور زاویے سے دیکھیں تو ان خطوں میں اقبال کی شخصیت اور سوانح کی نمایاں جھلکیاں بھی ملتی ہیں مثلاً عصری تحریکوں سے اقبال کی دلچسپی، وابستگی اور علاحدگی، مسلم لیگ میں شمولیت سائمن کمیشن اور میمورنڈم اور دیگر بہت سے سیاسی امور کے بارے میں اقبال کا

نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے، اقبال کی ذہنی افتاد، ان کی دل پسند خوراک، اسفارِ اقبال بعض ہم عصروں سے تعلقات موعودہ کتب اور مستقبل کے منصوبوں کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح اُس عہد کے سیاسی، خانگی اور سماجی مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خط اقبال کے شعری افکار کی تشریح کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنی و فنی ارتقا اور بعض سوانحی حالات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔

علامہ اقبال خطوں کے جواب بالعموم قلم برداشتہ لکھتے تھے اور ان کا لب و لہجہ مکتوب الیہ کی ذہنی سطح اور تعلقات کی نوعیت کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ ان خطوط میں سلاست و روانی ہے۔ گرامی کا ذکر آئے تو شوخی و بذلہ سنجی اسلوب میں نکھار پیدا کرتی ہے لیکن موضوعات ان گنت ہیں اس لیے ہر موضوع خود اسلوب کا رُخ متعین کرتا ہے۔

ان خطوط میں ٦۵ ملکی و غیر ملکی شخصیات کا ذکر ملتا ہے جن میں چند ایک معروف اور بہت سی غیر معروف ہیں۔ ان شخصیات اور اسی طرح اخبارات و رسائل، اداروں، کتابوں، اشعار اور مبہم اشاروں کے سلسلے میں ضروری تھا کہ تعلیقات و حواشی کے ذریعے ممکنہ حد تک ان کی وضاحت کر دی جائے چنانچہ ہم نے بساط بھر ان کی توضیح کی کوشش کی گئی ہے لیکن چند ایک مقامات اب بھی وضاحت طلب ہیں۔ اس نوعیت کے کاموں میں صد فی صد تکمیل کا دعویٰ بہر حال نہیں کیا جا سکتا۔

نیاز کے نام اقبال کے اصل خطوط مکتوب الیہ کے اہلِ خاندان کے پاس محفوظ ہیں۔ چنانچہ کام کی ابتدا نیاز کے صاحبزادے خان نفیس الدین خاں کے ساتھ ایک مصاحبے (انٹرویو) سے ہوئی، یہ مصاحبہ برادرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور راقم نے مل کر کیا تھا۔ خاندانی حالات، خطوط کی سرگذشت اوران کے بعض مندرجات کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئیں۔ اصل خطوط دیکھنے اور ان کی نقول کے لیے خان صاحب سے درخواست کی گئی۔ خان صاحب کی عمر ۹۲ برس سے زائد تھی اور پیری بذاتِ خود علالت ہی

کی ایک صورت ہے تاہم انھوں نے وعدہ کیا کہ ذرا طبیعت سنبھلے تو میں آپ کو فوٹو کاپیاں بنوا دوں گا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور خان صاحب یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

راقم نے عکسی نقول کے لیے کچھ عرصے کے بعد خان نفیس کے بڑے بیٹے خان فصیح الدین خاں سے رابطہ کیا مگر انھوں نے فرمایا: یہ خاندان کا مشترک سرمایہ ہے جو ہم کسی کو نہیں دے سکتے، کئی برس گزر گئے۔

ایک بار پھر اقبال اکادمی کے ناظم محمد سہیل عمر صاحب کی وساطت سے عکسی نقول کے لیے گزارش کی گئی۔ خاں نیاز الدین خاں مرحوم کے پوتے جناب فصیح الدین خاں سے رابطہ ہوا، اور انھوں نے کمال فراخ دلی سے، خطوں کے عکس مہیا کر دیے۔ زیرِ نظر مجموعے کا متن انھی عکسی نقول کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔

خان نیاز الدین خاں:

ان خطوط کے مکتوب الیہ محمد نیاز الدین خاں کا تعلق بستی دانش منداں (جالندھر) کے دانش منداں خاندان سے تھا۔ یہ ایک ترکی النسل قبیلہ ہے جو مشرقی اناطولیہ میں آباد تھا۔ سلجوقی سلطان ارسلان نے اس قبیلے سے وہ علاقہ چھین لیا تو یہ لوگ وہاں سے نکل کر افغانستان آ گئے جہاں خاندان کا ایک حصہ کابل کے قریب برک کے مقام پر آباد ہو گیا اور کچھ لوگ جنوبی وزیرستان کے علاقہ کانی کرم میں آ کر مقیم ہو گئے۔ عہدِ جہانگیر میں ۱۶۱۷ء کے لگ بھگ اس خاندان کے کچھ لوگ جالندھر پہنچے اور شہر سے دو میل کے فاصلے پر پہلی بستی بسائی جس کا نام خاندان کے ایک بزرگ محمد ابراہیم خان دانش مند کے نام پر ابراہیم پورہ رکھا لیکن بعد میں اسی نام کی ایک اور بستی آباد ہونے سے انھوں نے اس کا نام بستی دانش منداں، رکھ لیا۔

اس خاندان کا جو حصہ کانی کرم میں آباد ہے، وہ اڑمڑ پٹھان ہیں مگر اسی خاندان کے ایک صوفی بزرگ بایزید انصاری المعروف پیر روشاں نے دعویٰ کیا کہ ان کا شجرہ ۲۱ واسطوں سے حضرت ایوب انصاری سے ملتا ہے، اس لیے یہ انصاری کہلاتے ہیں۔ بایزید انصاری کے

اس دعوے کا اور کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ اس خاندان نے انصاری ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے مغربی محققین اس پر معترض ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔ کانی کرم کے اڑمڑ اور کابل کے قریب برک کے رہنے والے اپنا تعلق ایک ہی خاندان سے بتاتے ہیں اس لیے خاندان کا ایک حصہ برکی بھی کہلاتا ہے۔ انگریزوں کے دور میں جب انصاریوں کو غیر کاشت کار اقوام میں شامل کیا جانے لگا تو یہ کہا گیا کہ انصاری پٹھان ہیں۔ چنانچہ یہ انصاری پٹھان معروف ہوئے محکمہ مال کے کاغذوں اور دیگر سرکاری دستاویزات میں انھیں پٹھان لکھا گیا۔ اور رشتے ناطے بھی پٹھانوں میں ہوتے رہے۔ خود نیازالدین خاں نے لودھی پٹھانوں میں شادیاں کیں۔ البتہ ان کے پٹھان ہونے کی معتبر شہادت موجود نہیں۔ نیاز الدین خاں کے بیٹے خان نفیس الدین خاں لکھتے ہیں: ” [بستی دانش منداں والوں کو] پٹھان اس لیے لکھا جائے گا کہ اسی لقب سے پکارے جاتے ہیں اور سال ہا سال سے یہی قوم تصور ہوتی آئی ہے “۔[1]

خان نیاز الدین خاں ۱۸۵۹ء میں بستی دانش منداں کے زمیندار خان جمال الدین خاں کے ہاں پیدا ہوئے یہ ایک متموّل خاندان تھا۔ جالندھر کے نواح میں پٹھانوں کی بستیاں سکھوں کے دور میں کئی دفعہ تاراج ہوئیں اور کئی ایک تو دوبارہ بسائی نہ جا سکیں۔ بہر حال ان خاندانوں کو سکھ عہد میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے اپنی روایات کو برقرار رکھا اور پنجاب پر قبضے کے لیے انھوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ انھیں چھوٹی بڑی جاگیریں مل گئیں، معزز ہو گئے اور دربار میں کرسی ملنے لگی۔ نیاز کے تایا میاں غلام محی الدین خاں المعروف باگے خاں ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ وہ ایک بے باک، جرأت مند اور متدیّن انسان تھے۔ زندگی بھر کبھی نماز قضا نہ کی۔ پٹھان قبائل میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ وہ نہ صرف بستی دانش منداں بلکہ تمام بستیوں کے سربراہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ باگے خاں اولادِ نرینہ سے محروم تھے چنانچہ انھوں نے اپنے بھتیجے نیاز کو متبنیٰ بنا لیا اور نہ صرف ان کی بہترین تعلیم و تربیت کی بلکہ تمام جایداد ان کے نام ہبہ کر دی۔

---

[1] بستی دانش منداں: خاں نفیس الدین خاں، ص۸

نیاز نے میٹرک کا امتحان مشن ہائی سکول جالندھر سے پاس کیا اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ ان دنوں قانون (Law) کی کلاسیں گورنمنٹ کالج ہی میں ہوتی تھیں۔ مختاری کا امتحان پاس کرنے کے بعد جالندھر میں پریکٹس شروع کی۔ مختاری ان دنوں ایف ای ایل کے برابر تھی اور اس کے بعد پریکٹس کی اجازت تھی۔ کچھ عرصہ پریکٹس کے بعد انھوں نے وکالت چھوڑ دی اور نائب تحصیل دار بھرتی ہوگئے۔ تاریخ افاغنۂ جالندھر کے مصنف لکھتے ہیں: کہ ان کے خاندان میں وکالت کو ایک غیر شریفانہ پیشہ تصور کیا جاتا تھا اس لیے انھوں نے وکالت چھوڑ کر ملازمت اختیار کی۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کیوں کہ نیاز کے بھائی امیر الدین خاں جالندھر کے چوٹی کے وکیل رہے اور نیاز کے تین بیٹوں نے بھی ایل ایل بی کیا اور ایک نے پریکٹس بھی کی۔ البتہ ذاتی پسند، ناپسند کی بات الگ ہے۔ نیاز نائب تحصیلدار بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے تحصیل دار، افسر خزانہ اور سینئر سب جج بنے۔ ملازمت کے دوران میں انھوں نے پنجاب کے مختلف اضلاع میں خدمات سر انجام دیں۔ ۱۹۱۴ء میں ملازمت سے سبک دوش ہو کر دل جمعی سے علمی و ادبی مشاغل کی طرف توجہ دی البتہ ریاست کنج پورہ میں مینیجر کے طور پر کام کیا۔ نواب ابراہیم علی خاں ان دنوں ریاست کے نواب تھے جن کے دوستانہ مراسم علامہ اقبال اور نواب ذوالفقار علی خاں سے تھے اور اسی تعلق کی بنا پر نیاز دو سال تک ریاست کے مینیجر رہے۔

خان نیاز الدین خاں بڑی بارعب اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔ نواب مشتاق احمد خاں (م: ۲۰/ فروری ۲۰۰۵ء) لکھتے ہیں:

> ننھیال میں حاضری دینے کے بعد ہم لوگ اپنے پھوپھا نیاز الدین خاں صاحب کے سلام کے لیے بستی دانش منداں جاتے تھے۔ پھوپھا کی بڑی بارعب شخصیت تھی۔ کھانے پینے کے معاملے میں ان کے حکم کی سرتابی کرنا ممکن نہیں تھا۔[1]

---

[1] کاروان حیات، نواب مشتاق احمد خاں، ص ۴۶

مولانا عبید الحق ندوی نے ایک ملاقات (۹ جولائی ۱۹۹۳ء) میں بتایا: نیاز الدین خاں میرے والد کے گہرے دوست تھے۔ میں بھی اکثر ان سے ملا کرتا تھا۔ نیاز بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ بڑا سا سر، کسرتی جسم، پہلوانی کا بھی شوق تھا۔ آواز ذرا بھاری تھی اور تیز تیز باتیں کرتے تھے۔

مکتوب الیہ کے بیٹے خان فیروز الدین خاں کے مطابق ہمیشہ سادہ مگر پروقار لباس پہنتے تھے، نماز پابندی سے ادا کرتے اور بلاناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ ان کی ذاتی لائبریری میں قرآن پاک کے مختلف تراجم، تفاسیر، صحاح ستہ، سیرت پاک پر مختلف تصانیف اور مذہب کے متعلق کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کی تصانیف پڑھنے کا شوق زیادہ تھا، اور شاید اسی وجہ سے تصوّف سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

ان دنوں افغان گھرانوں میں چھوٹے بڑے کتب خانوں کا رواج تھا۔ خان صاحب صرف مطالعہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تحریر و تصنیف کے فن سے بھی واقف تھے اور ان کے مضامین و مقالات اس عہد کے اہم اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ وکیل امرت سر، معارف اعظم گڑھ، پندرہ روزہ البلاغ، پیام، مسلم آؤٹ لک، سول اینڈ ملٹری گزٹ اور زمیندار میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے (نمونے کے لیے دیکھیے: ضمیمہ ۲)۔

ان کے مضامین میں تنوع تھا۔ تصوّف، عصری مسائل، سیاست اور دیگر موضوعات پر لکھا کرتے تھے۔ مضامین کے علاوہ انھوں نے تذکرۃ الانصار کا ترجمہ کیا اور حواشی بھی لکھے، اپنے حالات زندگی، حیات بے ثبات کے عنوان سے تحریر کیے۔ پیامِ مشرق کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا جسے اقبال نے پسند تو کیا لیکن اشاعت سے روک دیا۔ یہ مسودات ۱۹۴۷ء میں ہنگاموں میں ضائع ہو گئے۔

نیاز الدین خاں نثر تو اردو یا انگریزی میں لکھا کرتے لیکن شاعری فارسی میں کرتے تھے۔ اقبال اور مولانا گرامی سے قربت اور تعلق کی ایک وجہ فارسی شاعری بھی ہے۔ اپنا کلام

اصلاح کے لیے اقبال کو بھیجا کرتے۔ اقبال نے ان کی بھرپور داد دیتے اور اصلاح بھی دیا کرتے تھے۔ اقبال گرامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ”نیاز الدین خاں صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا۔ آپ نے تو ان کو شاعر بنا دیا۔ واقع میں اوروں کی انتہا ان کی ابتدا ہے“۔[۱]

ایک خط میں نیاز کو لکھتے ہیں:

تعجب ہے کہ آپ غزل تو گرامی صاحب کی صحبت میں لکھیں اور اصلاح کے لیے مجھے ارشاد ہو۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سرمہ ہندوستان سے خرید کرنا۔ آپ نیاز ہیں مگر گرامی صاحب کی صحبت ہے تو تمام شعرا سے بے نیاز۔[۲]

ایک اور خط میں لکھتے ہیں: ”گرامی صاحب کی صحبت آپ کو نظامی بنا ڈالے گی“۔[۳] مزید لکھتے ہیں: ”آپ کی غزلوں میں مجھے دوسری غزل (خفت است) کا مطلع پسند ہے باقی اشعار پھر لکھیے“۔[۴] ایک اور خط میں کہتے ہیں: ”دونوں شعروں کا مضمون لاجواب ہے مگر بندش کھٹکتی ہے۔ پہلے شعر میں ”ناقہ نشیں“ کھٹکتا اور ”ایں جا“ حشو معلوم ہوتا ہے“۔[۵]

اقبال کی ہدایت پر نیاز اپنا کلام اصلاح کے لیے گرامی کو بھی دکھاتے تھے۔ گرامی نے اصلاح کے ساتھ ساتھ انھیں داد بھی دی: ”خان صاحب بہادر، غزل نہایت دل آویز اور دل فریب ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سر اقبال کو ضرور سنائیے“۔[۶] ایک اور خط میں لکھا: ”سبحان اللہ آپ نے کیا اچھا مطلع لکھا ہے“۔[۷]

---

۱ مکاتیب بنام گرامی، ص۱۵۷

۲ مکاتیب بنام نیاز (طبع اوّل)، ص۲۰

۳ ایضاً، ص۱۷

۴ ایضاً، ص۲۱

۵ مکاتیب بنام نیاز (طبع اوّل)، ص۸

۶ مکاتیب گرامی بنام نیاز، مشمولہ: مکاتیب بنام نیاز، ص۸۳ (طبع دوم، ۱۹۸۶ء)

۷ ایضاً، ص۸۲

خان نفیس الدین خاں نے بتایا کہ ان کی بیاض، جس میں ان کا سارا کلام محفوظ تھا، ۱۹۴۷ء میں ہنگاموں کی نذر ہو گئی تاہم یہ اشعار مکاتیب گرامی بنام نیاز میں محفوظ رہ گئے:

قیس از فکرِ مے و جام بلوریں مست است
چشمِ آں ناقہ نشیں بادہ و جام است ایں جا

حرفِ شوخی کہ بہ دلبر سرِ افلاک بگفت
بردرِ میکدہ مشہور عوام است ایں جا

نالہ شوریست کہ ز گلخنِ دل می خیزد
آہ دودیست کہ از روزنِ دل می خیزد

چشم آتش بارِ ما چوں قطرہ درجیحوں فگند
ناخدا و لنگر و کشتی و دریا سوختیم
حضرت فرہاد با ما چوں بہ شب آہے کشید
صبح دم گل گرد یعنی کوہ و صحرا سوختیم

ہزار بار دعاے وصالِ او کردم
قبول شد نہ دعا ام مگر خدا خفت است

خان نفیس الدین خاں نے ایک شعر یہ بھی سنایا:

تو خواب ناز بودی بمن از رقیب پنہاں
کفِ پا تو بوسہ داوم زحنا شنیدہ باشی

زمانے کے حالات کے مطابق نیاز کو سیاست سے بھی دلچسپی رہی۔ وہ سر سید سے متاثر تھے چنانچہ سر سید نے جب پنجاب کا دورہ کیا تو جالندھر میں خوش آمدید کہنے والوں میں شامل تھے۔ ۴؍ فروری ۱۸۸۴ء کو سر سید نے جالندھر میں بکرماں سنگھ کی کوٹھی میں ایک لیکچر دیا۔

وہاں انھیں نوجوانانِ جالندھر نے سپاس نامہ پیش کیا۔ اس میں پہلا نام نیاز الدین خاں کا تھا۔[۱] مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ میں بھی شریک ہوتے رہے۔ ملازمت سے سبک دوش ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، اور اس کو منظم کرنے کے لیے دورے بھی کیے۔ جب مسلم لیگ دو دھڑوں، شفیع لیگ اور جناح لیگ میں بٹ گئی تو نیاز، شفیع لیگ میں شامل تھے۔

اپنے دور کی اہم شخصیات سے تعلق رہا۔ ان کے دوستوں میں علمی و ادبی اور سیاسی شخصیات شامل تھیں۔ ان کے نام اقبال اور گرامی جیسے عظیم المرتبت شاعروں کے خطوط نیاز کی عظمت کا ثبوت ہیں۔ سر محمد شفیع، جسٹس شاہ دین، سر محمد حیات نون، ملک فیروز خان نون، ملک مبارز خاں ٹوانہ، لالہ گیان چند اور کئی دیگر اکابرین گاہے بگاہے ان کے ہاں بستی دانش منداں آتے رہے۔ اقبال بھی ایک دفعہ ان کے ہاں گئے تھے۔ نیاز کا تعلق ان تمام شخصیات سے عمر بھر رہا۔[۲]

خان صاحب کو محفلِ سماع کا بہت شوق تھا۔ موسمِ سرما میں ہر ماہ گھر میں محفلِ سماع منعقد کرتے جس میں اُس زمانے کے مشہور قوال شریک ہوتے۔ جالندھر میں ہر سال ایک میلہ منعقد کیا جاتا۔ اس میلہ ہرمّلب میں باقاعدگی سے شریک ہوتے بلکہ اس کی انتظامی کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ انھیں کلاسیکی موسیقی پسند تھی اور ہر راگ سمجھتے تھے۔

خوش الحان پرندے، پالنے کا شوق بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ گھر میں قمریاں، سیاہ تیتر اور بٹیر وغیرہ بھی موجود ہوتے۔ خود تو کبوتر بازی نہیں کرتے تھے لیکن ان کے بڑے بیٹے نو بہار الدین خاں کو بہت شوق تھا، اس لیے ان کے ہاں اعلیٰ نسل کے کبوتر موجود رہتے۔ اور یہ کبوتر سال ہا سال تک باقاعدگی سے اقبال کو بھجوائے جاتے رہے۔ شیخ عمر بخش، غازی رحمت اللہ اور خان نفیس الدین خاں یہ کبوتر لے جا کر اقبال کو دیتے۔ نیاز کے ہاں ہمیشہ ایک آدھ اچھی نسل کا کتا بھی ضرور ہوتا اور یہ کتے ان کے دوست نون یا ٹوانے دیا کرتے تھے۔ گھڑ سواری کا

---

۱ سر سید کا سفر نامہ پنجاب، مولوی سید اقبال علی، ص ۲۷۲

۲ تذکرہ افاغنۂ جالندھر، محمد ایوب خان، ص ۲۱۰

شوق بھی تھا۔ گھوڑا اور تانگا بھی رکھتے اور تانگا خود چلا کر دفتر جایا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی رئیسانہ زندگی کے آداب تھے۔

خان نیاز الدین خاں نے تین شادیاں کیں۔ ان کے سسرال دھوگڑی کے لودھی افغان تھے جو اس دور کا مقتدر خاندان تھا۔ نیاز کی خوش بختی ہے کہ سبھی بچے تعلیم کے میدان میں نمایاں رہے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔

سب سے بڑے بیٹے نو بہار الدین خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا اور ہوم ڈیپارٹمنٹ میں چلے گئے۔ ۱۹۳۳ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ افتخار الدین خاں نے بھی گورنمنٹ کالج کے طالب علم رہے، ایل۔ ایل بی کیا جالندھر میں پریکٹس بھی کرتے تھے اور کرکٹ کے اچھے کھلاڑی تھے۔ ۱۹۸۰ء میں فوت ہوگئے۔

خان نفیس الدین خاں نے علی گڑھ سے ایم اے کیا۔ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے، کئی ایک کے مسودے تیار کر رکھے تھے لیکن ان کی اشاعت ممکن نہ ہوئی۔ یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ راقم نے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے ۹ جولائی ۱۹۹۲ء کو ان سے ملاقات اور مصاحبہ کیا۔ ان دنوں وہ خاصے ضعیف اور بیمار تھے۔

فیروز الدین خاں نے علی گڑھ سے ایل ایل بی کیا۔ وہ پہلے مسلمان ہاکی اولمپین ہیں، کسٹم میں رہے۔ پاک فضائیہ کے سابق سربراہ ایر مارشل فاروق فیروز انھی کے صاحبزادے ہیں۔ اس تحقیق کے سلسلے میں انھوں نے نیاز پر انگریزی میں ایک تعارفی لوازمہ مہیا کیا۔

ظہیر الدین خاں نے بھی علی گڑھ ہی سے ایل ایل بی کیا۔ کرکٹ کے اچھے کھلاڑی تھے۔ رینجرز کے کمانڈر رہے۔ انور الدین خاں ایر فورس میں تھے پھر اسلام آباد میں ایک تعمیراتی کمپنی میں افسر رہے۔ نیاز کی بیٹی کا نام مبارک بیگم ہے۔ یہ ان کی دوسری شادی سے ہے۔

اقبال اور نیاز کے روابط:

اقبال سے نیاز کے تعلقات کی ابتدا کب ہوئی؟ اس کے بارے میں مکاتیب سے قبل کے شواہد میسر نہیں۔ ایک سوال کے جواب میں خان نفیس الدین خاں نے بتایا کہ صحیح طور

پر تو کچھ نہیں کیا جا سکتا البتہ شوق اور دلچسپی کے مشترک عناصر سے مزاج تشکیل پاتے ہیں اور ہم مزاج اشخاص کے درمیان ایک آدھ اتفاقی ملاقات بھی اچھے تعلقات کے آغاز کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اخبارات ورسائل میں چھپنے والے مضامین پڑھ کر تعلق پیدا ہوا ہو یا گرامی کے ذریعے تعارف ہوا ہو۔ البتہ تصوف، فارسی شاعری، دین و شریعت، کبوتر داری اور بعض سیاسی امور و مسائل پر نیاز اور اقبال میں ذہنی ہم آہنگی تھی۔

نیاز نسلی طور پر پٹھان تھے اور پٹھانوں کے بارے میں اقبال کی رائے نہایت اچھی تھی مثلاً: "پٹھانوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اس قوم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے مجھے توقع ہے کہ آیندہ بھی اسلام کی عظمت و سربلندی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے گریز نہیں کریں گے"۔[۱] افغان قوم سے اقبال کی محبت کو بھی نیاز اور اقبال کے درمیان قربت کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء کو اقبال نے نیاز کے نام پہلا خط تحریر کیا۔ ان دنوں تصوف کے بارے میں اقبال کے خیالات و نظریات پر تنقید ہو رہی تھی۔ ایک گروہ ان کی حمایت میں مضامین و مقالات لکھ رہا تھا جب کہ دوسرا مخالفت کر رہا تھا۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ نیاز نے عجمی تصوف کے خلاف کچھ لکھا ہو یا اقبال سے استفسارات کیے ہوں اور پھر خط کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہو مگر نیاز کی شاعری کی طرح ان کے مضامین پر بھی وقت کی گرد کی تہ دبیز ہو چکی، سو یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اقبال، گرامی کے نام ایک خط (۱۰ فروری ۱۹۲۲ء) میں لکھتے ہیں: "خان نیاز الدین کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں اور اس کے لیے ۲۱ فروری مقرر فرمائی ہے"۔[۲]

---

[۱] انجمن، فقیر سید وحید الدین، ص ۴۰۔

[۲] مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۹۶

یہ خط ۱۰فروری ۱۹۲۲ء کو لکھا گیا۔ اقبال خط کا جواب دینے میں باقاعدہ اور مستعد تھے یہ ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ انھوں نے خط کا جواب نہ دیا ہو۔ مگر فروری ۱۹۲۲ء میں نیاز کے نام اقبال کا کوئی خط نہیں ملتا اس سے اس شبہے کو تقویت ملتی ہے کہ کچھ خطوط ضائع ہو گئے ہیں اور یہ امکان موجود ہے کہ مراسلت کا سلسلہ ۱۹۱۶ء سے پہلے شروع ہوا ہو۔ بہر حال صورت جو بھی ہو یہ خطوط اقبال اور نیاز کے درمیان گہرے قلبی تعلق کے آئینہ دار ہیں۔

اقبال ایک خط میں گرامی کو لکھتے ہیں:

خان نیاز الدین خان کا خط آیا تھا۔ جالندھر بلاتے ہیں... خان صاحب بڑی خوبی کے آدمی ہیں اور مجھے اُن سے اُنس ہے مگر افسوس کہ جالندھر لاہور سے دور ہے ورنہ ان سے ہر روز ملاقات ہوتی۔[1]

نیاز، اقبال سے بے حد متاثر تھے۔ اپنی خود نوشت حیات بے ثبات میں لکھتے ہیں:

"لاہور میں ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر رہتے ہیں جب میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ علم کا دریا بہا چلا آرہا ہے۔ عقل اس قدر علم اور حافظے پر حیران رہ جاتی ہے"۔[2]

اقبال ۱۹۱۶ء میں بستی دانش منداں آئے تھے۔ خان نفیس الدین خاں نے بتایا کہ ہم کالج میں پڑھتے تھے، ڈاکٹر صاحب کے چلے جانے کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ یہ ڈاکٹر اقبال تھے۔ ان دنوں ہمیں فزیشن اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر کا فرق معلوم نہ تھا۔ میں نے خود ڈاکٹر صاحب سے اس کی مزید تصدیق ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء کو کی، جب آخری مرتبہ اقبال سے ملا۔ اس سے نذیر نیازی بھی موجود تھے۔

اس صدی کے ربع اول میں سیالکوٹ کی تہذیبی زندگی میں کبوتر داری ایک سلجھا ہوا مشغلہ تھا۔ اقبال کو بچپن ہی سے شوق تھا اور جاوید کے ذرا سمجھ دار ہونے تک انھوں یہ مشغلہ جاری رکھا۔ اس ذوق کی تشفی کے لیے دور دور سے کبوتر منگواتے تھے مگر جس باقاعدگی سے

---

[1] مکاتیب بنام گرامی، ص۱۹۶

[2] مکاتیب بنام نیاز (طبع دوم،۱۹۸۶ء)، ص۸۹

نیاز کے ہاں سے کبوتر اقبال کو بھجوائے جاتے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اقبال ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے کبوتروں کے برابر میرے تجربے میں کوئی نسل کبوتروں کی نہیں آئی۔ میں نے لدھیانے، ملتان، سیالکوٹ، شاہ جہان پور سے کبوتر منگوائے مگر اتنی تعداد اچھے خواص کی کسی نسل میں جمع نہیں جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں''۔[1]

اس طرح جو تعلق تصوف کے بارے میں ہم خیالی سے شروع ہوا وہ علم و ادب کے مباحثہ سے پختہ ہوا اور ذوقِ کبوتر داری نے خط کتابت کو دراز کیا اور تعلقات کو مزید پختہ بھی اور انھی حوالوں سے خط کتابت کا سلسلہ چلتا رہا جس کے نتیجے میں خطوط اقبال کا ایسا نادر ذخیرہ جمع ہو گیا جو ہمارا ادبی ورثہ ہے اور حیاتِ اقبال کے لیے سوانحی مواد کا مستند ماخذ ہونے کے ساتھ فکرِ اقبال کی تشریح و توضیح بھی کرتا ہے۔

عبد اللہ شاہ ہاشمی

---

[1] مکاتیب بنام نیاز (طبع اوّل)، ص۲۹-۳۰

مکاتیبِ اقبال

بنام

خان نیاز الدین خاں

(۱)

لاہور۔۱۹/ جنوری ۱۶ء

مخدومی!   السلام علیکم

الحمد للہ کہ آپ نے مثنوی[1] کو پسند فرمایا۔ سید ولی شاہ صاحب[2] کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ یہی افلاطونیت جدید[3] ہے جس کا اشارہ میں نے اپنے مضمون[4] میں کیا ہے۔ فلسفۂ افلاطون[5] کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جس کو ایک پیرو

---

[1] مثنوی سے مراد اسرار خودی ہے جو ۱۲ ستمبر ۱۹۱۵ء کو شائع ہوئی۔(تصانیف، ص ۸۱)

[2] مکاتیبِ اقبال بنام نیاز کی طبع اوّل، طبع دوم و سوم کے متن میں سید ولی شاہ کی بجائے غلطی سے سید ولی اللہ شاہ لکھا گیا۔ طبع دوم کے حاشیے صفحہ ۹۱ میں اس کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے بتائی گئی ہے جو درست نہیں ہے۔ اقبال کے دست نوشت متن میں واضح طور پر سید ولی شاہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ نہیں۔

[3] افلاطونیت جدید یا نو فلاطونیت (Neo-Plotonism) فلسفے کا ایک ایسا مکتبِ فکر ہے جس نے فلسفۂ افلاطون کو مجوسی وویدانتی فلسفے کی آمیزش اور نئی شرح و تفسیر سے پیش کیا۔ اس فکری تحریک کے بانی فلاطینوس کے کام کو اُس کے شاگرد فرفریوس نے مدوّن کیا۔ جس کے عربی تراجم سے اس فکر نے اسلامی فکر میں راہ پائی۔ اقبال اسے فلسفۂ افلاطون کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں اور اس کے خلاف ہیں۔ مزید دیکھیے: تاریخ تصوف(تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش): یوسف سلیم چشتی، ص ۴۶-۱، مطالعہ اقبال کے نئے رخ: ڈاکٹر سید عبداللہ، ص ۱۶۶)

[4] یہ مضمون "اسرارِ خودی اور تصوف" کے عنوان سے وکیل (۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء) میں پہلی بار شائع ہوا۔ اب مقالات اقبال (مرتب: سید عبدالواحد معینی) میں شامل ہے۔

[5] افلاطون کے فلسفے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حقیقی دنیا عالم بالا ہے اور عالم محسوسات یا یہ دنیا اُس عالمِ امثال کا پرتو ہے۔ افلاطون کی یہی عقلیت، ویدانتی تصوف کی روح ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ فلسفۂ زمانی و مکانی حقائق، حرکت اور جدوجہد کو بے معنی بنا دیتا ہے۔ افلاطون کا نظریۂ اعیان، کائنات کی نفی کرتا ہے اور اسی سے رہبانیت کی ترویج ہوتی ہے۔ وجودی تصوف نے اسی سے فروغ پایا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ اسی لیے اقبال اسے مسلکِ گوسفندی کہتے ہیں اور اس کے خلاف ہیں (دیکھیے مضمون: "معرکۂ اسرارِ خودی" از محمد عبداللہ قریشی، مشمولہ: مجلہ اقبال اپریل ۱۹۵۳ء)

(Plotinus)[1] نے مذہب کی صورت میں پیش کیا۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں یہ مذہب نہایت مقبول تھا۔ اس کی آخری حامی ایک عورت تھی Hypatia[2] نام، جس کو عیسائیوں نے ہی مصر میں نہایت بے دردی سے قتل کرا دیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ مذہب حرّاں[3] کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعے سے پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہبِ اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآنِ کریم کے فلسفے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ تصوف کی عمارت اسی یونانی بے ہودگی پر تعمیر کی گئی۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال

---

[1] فلاطینوس Plotinus (۲۰۴ء- ۲۷۰ء) تاریخ تصوف میں نو فلاطونیت کا بانی تھا، مصر میں پیدا ہوا۔ یونانی فلسفے کے مشہور معلم ایمونئس سے کسبِ فیض کیا۔ پھر ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور ویدانتی فلسفہ سیکھا۔ رومی لشکر کے ساتھ ایران گیا اور مجوسی فلسفیوں سے تصوف کی تعلیم پائی اور پھر عمر بھر اسکندریہ میں اپنے افکار کی تبلیغ کرتا رہا۔

المامون (۸۱۳ء- ۸۳۳ء) کے زمانے میں فلاطینوس کی تصنیف انیڈس (Enneads) کے آخری تین ابواب کا ترجمہ الکندی (م: ۶۹- ۱۴۶۸ء) نے عربی میں کیا۔ عرب اسے ارسطو کا فلسفہ سمجھتے رہے۔ اس طرح نو فلاطونیت نے کئی سو سال تک اسلامی ثقافت کو متاثر کیے رکھا۔ (دیکھیے: اقبال اور مسلکِ تصوف: ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ص ۳۰۴، نیز دیکھیے: طواسین اقبال دوم، سوم، ۳۹۱- ۳۹۲)۔

[2] ہائی پیشیا (Hypatia) (۳۷۰ء - ۴۱۵ء) نو فلاطونی فلسفے (فلسفۂ اشراق) کی مفکّر اور ریاضی دان، اسکندریہ میں پیدا ہوئی اور یونان میں تعلیم پائی۔ اسکندریہ میں فلسفے کی پروفیسر مقرر ہوئی۔ حسن، پاکیزگی اور ذہانت سے اثر و رسوخ کے ساتھ حاسد بھی پیدا کیے۔ یورپ کے دورِ ظلمات میں کلیسائی دنیا غیر مذہبی تعلیم کی مخالفت کرتی تھی۔ اسکندریہ کے بشپ نے اُسے ملحدانہ نظریات کی جادوگرنی مشہور کر دیا۔ چنانچہ ایک مشتعل ہجوم نے تشدد کے بعد اسے کلیسا میں لے جا کر قتل کر دیا (تفصیل دیکھیے: برٹانیکا جلد ۵، ص ۲۵۱)

[3] حران، شمالی عراق کا قدیم شہر تھا جو آج کل ترکی میں شامل ہے۔ ایک زمانے میں یہاں اشوریوں کے چاند دیوتا کا معبد تھا۔ امام ابن تیمیہ یہیں پیدا ہوئے۔ ماضی کا یہ علم و ادب کا مرکز آج کل کھنڈر ہے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۷۷۰)

(۲)

لاہور، ۱۳؍ فروری ۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ملا، مشکور فرمایا۔

میرا تو خیال تھا کہ فرصت کا وقت مثنوی کے دوسرے[1] حصے کو دوں گا جو پہلے سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر خواجہ حسن نظامی[2] نے بحث چھیڑ کر توجہ اور طرف منعطف کر دی ہے۔ تصوف کی تاریخ لکھ[3] رہا ہوں۔ دو باب لکھ چکا ہوں یعنی منصور حلاج[4] تک پانچ چار باب اور

---

[1] رموزِ بے خودی مراد ہے جو اُن دنوں زیر تصنیف تھی اور بعد ازاں اپریل ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ (تصانیف: ص۹۸)

[2] خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۶ء - ۱۹۵۵ء) حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خواہر زادے، اردو کے صاحبِ طرز ادیب۔ اقبال کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے نام اقبال کے ۱۴؍ خطوط، اقبال نامہ میں شامل ہیں۔ اسرارِ خودی میں حافظؔ پر اقبال کی تنقید سے جس قلمی جنگ کا آغاز ہوا اس میں حسن نظامی اقبال کے مخالف کیمپ کے سرخیل تھے۔ اقبال کے نقطۂ نظر کی مخالفت اور حق میں بیسیوں مضامین زمیندار، وکیل، لائل گزٹ اور خطیب میں شائع ہوئے۔ آخرِ کار اکبر الٰہ آبادی اور شاہ سلیمان پھلواری نے معاملے کو سلجھایا اور یہ معرکہ سرد پڑ گیا۔ اقبال اور حسن نظامی کے تعلق اور ذہنی روابط کے لیے دیکھیے: ”اقبال اور حسن نظامی“ از محمد عبداللہ قریشی، مشمولہ: اقبال ریویو جنوری ۱۹۷۰ء، ص۱- ۲۳

[3] معرکۂ اسرارِ خودی کے دوران میں اقبال نے تصوف پر تحقیق کا بیڑا اُٹھایا اور باقاعدہ تصوّف کی تاریخ لکھنا شروع کی۔ دو باب مکمل کیے۔ کچھ نوٹس اور دیگر مسالہ جمع کیا مگر معرکہ اسرارِ خودی سرد پڑنے پر یہ مسودہ ادھورا رہ گیا۔ اب اسے پروفیسر صابر کلوروی نے مرتب کر کے تاریخ تصوف کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کا اصل مسودہ اقبال میوزیم لاہور میں محفوظ ہے۔

[4] منصور حلاج (۸۵۷ء - ۹۲۲ء) مسلمانوں کی فکری تاریخ کی ایک متنازع شخصیت ہے۔ وہ ایک عالم، صوفی اور متکلم تھے۔ نظریۂ وحدت الوجود کے مبلغ رہے۔ اقبال نے ان کے نظریے پر تنقید بھی کی ہے۔ اقبال اور حلاج کے ذہنی روابط کے لیے دیکھیے مضمون: ”اقبال اور حلاج“ مشمولہ: طواسین اقبال، اول۔ مزید دیکھیے: اقبال اور ابن حلاج، از ڈاکٹر محمد ریاض۔

ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی علامہ ابنِ جوزی کی کتاب کا وہ حصہ بھی شائع کر دوں گا جو انھوں نے تصوف پر لکھا ہے۔[1] گو ان کی ہر بات میرے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں مگر اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہو گا کہ علمائے محدثین اس کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ ابنِ جوزیؒ کی کتاب مطبع مجتبائی دہلی سے ملتی ہے مگر آپ اس پر روپیا نہ خرچ کریں کیونکہ اس کا ضروری حصہ میری تاریخ تصوف کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔ میں نے مترجم سے چھاپنے کی اجازت لے لی ہے۔

تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے، نہایت قابلِ قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفے کا حصہ محض بے کار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیمِ قرآن کے مخالف۔ اسی فلسفے نے متاخرین صوفیہ کی توجہ صُور و اَشکالِ غیبی کے مشاہدے [کی] طرف کر دی اور ان کا نصب العین محض غیبی اَشکال کا مشاہدہ بن گیا۔ حالانکہ اسلامی نکتۂ خیال سے تزکیۂ نفس کا مقصد محض اِزدیادِ یقین و استقامت ہے۔

اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفینِ اسلامیہ کے حکایات و مقولات کا مطالعہ نہایت مفید ہے لیکن دین کی اصل حقیقت ائمہ اور علما کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے اور آج کل زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے علمی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔ حضرات صوفیہ خود کہتے ہیں کہ شریعت ظاہر ہے اور تصوف باطن۔ لیکن

---

[1] علامہ ابن جوزی (۱۱۱۴ء - ۱۲۰۰ء)۔ اپنے عہد کے ایک بڑے مصنف، خطیب اور صوفی تھے۔ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ تصوف پر ابن جوزی کی تنقید اقبال کو پسند آئی۔ شاید اسی لیے اکبر الٰہ آبادی کو ایک مکتوب میں لکھا: ”علامہ ابنِ جوزی نے جو کچھ تصوّف پر لکھا اس کو شائع کرنے کا قصد ہے“۔ (اقبال نامہ دوم، ص۵۰)۔ یہاں ابن جوزی کی کتاب سے مراد ان کی تصنیف تلبیس ابلیس ہے۔ اس میں مختلف فرقوں پر تنقید کی گئی ہے اور اسلامی فرقوں کے بارے میں بہت سی تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ (دائرہ معارف: جلد ۱، ص ۴۷۰، مزید دیکھیے: مقدمہ تلبیس ابلیس: ترجمہ: عبدالحق)۔

اس پُر آشوب زمانے میں وہ ظاہر جس کا باطن تصوف ہے، معرضِ خطر میں ہے۔ اگر ظاہر قائم نہ رہا تو اس کا باطل کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی حالت آج بالکل ویسی ہے جیسے کہ اسلامی فتوحاتِ ہندوستان کے وقت ہندوؤں کی تھی یا ان فتوحات کے اثر سے ہو گئی۔

ہندو قوم کو اس انقلاب کے زمانے میں منّو کی شریعت[۱] کی کورانہ تقلید نے موت سے بچالیا۔ اپنی شریعت کی حفاظت کی وجہ سے ہی یہودی قوم اس وقت تک زندہ ہے ورنہ اگر فیلو[۲] (پہلا یہودی متصوف) قوم کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا تو آج یہ قوم دیگر اقوام میں جذب ہو کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو چکی ہوتی۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال، لاہور

(۳)

ڈیئر خان صاحب! السلام علیکم

خط ابھی ملا ہے۔ آپ کا خط غلطی سے حیدری[۳] صاحب کے لفافے میں پڑ گیا جس کا مجھے سخت افسوس ہے۔ میں اس وقت عجلت میں تھا۔ حافظے پر اعتماد کر کے سب لفافے پہلے بند

---

۱ اس سے مراد منوسمرتی نامی شاستر ہے۔ ہندو عقائد کے مطابق یہ ساتویں منو کی تصنیف ہے جو ہندوؤں کے معاشرتی اور مذہبی قوانین پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ہزار اشلوک ہیں۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۶۳۰)

۲ فیلو Philo (۱۵ ق م – ۴۰ء) حضرت عیسیٰؑ کا ہم عصر یہودی فلسفی تھا۔ اس نے یہودیت میں باطنیت کو سمویا اور یونانی فلسفے اور یہودی علم و حکمت میں باہم تطبیق کی۔ یہودیت کی فکری تاریخ میں اسے اہم سمجھا جاتا ہے۔ (دیکھیے: برٹانیکا جلد ۱۴، ص ۲۴۵ – ۲۴۷)

۳ سر نذر علی اکبر حیدری (۱۸۶۹ء–۱۹۴۲ء): بمبئی کے ایک تاجر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ریاست حیدرآباد دکن کے سیکرٹری فنانس اور بعد میں صدرِ اعظم رہے۔ اقبال کے دوست تھے۔ (اقبال اور اکبر حیدری کے روابط کے لیے دیکھیے: اقبالیات: تفہیم و تجزیہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ص ۳۱-۱۷)

کر دیے۔ بعد میں ایڈریس لکھنے میں غلطی ہوگئی۔ میں نے حیدری صاحب کی خدمت میں لکھ دیا ہے کہ وہ خط واپس ارسال کر دیں۔ واپس آنے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال

لاہور، ۱۳/ مارچ ۱۶ء

(۴)

لاہور، ۲۶ مارچ ۱۹۱۶ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے۔ میں عدیم الفرصت تھا، اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔

الحمد للہ کہ جالندھر کے کتب خانے[۱] کے لیے اجازت ہوگئی۔ میں فرصت کے دنوں سے جناب کو مطلع کروں گا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال، لاہور

---

[۱] یہ کتب خانہ جالندھر کی ایک علم دوست شخصیت میاں مبارک علی کی ملکیت تھا۔ چودھری عبد الحمید جالندھری (۱۹۲۰ء۔ ۲۰۰۴ء) نے ایک ملاقات میں راقم الحروف کو بتایا کہ یہ کوئی بڑا علمی و ادبی ذخیرہ نہیں تھا۔ ممکن ہے کسی خاص کتاب یا کسی مخصوص مخطوطے کی وجہ سے اقبال کو یہ کتب خانہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا ہو۔ میاں مبارک علی طبیب بھی تھے۔

(۵)

لاہور، ۸/ جولائی ۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ سراج الدین[۱] صاحب کے دونوں مضامین[۲] جو آپ کی نظر سے گذرے، بہت اچھے ہیں۔ اُن کا تیسرا مضمون خودی اور رہبانیت پر حال میں شائع ہوا ہے،[۳] اسے بھی ملاحظہ فرمایئے۔ معلوم ہوتا ہے میرا مضمون "علمِ ظاہر و علمِ باطن"[۴] جو وکیل میں شائع ہوا ہے، آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اسے بھی پڑھیے۔ ایک اور مضمون لکھ[۵] رہا ہوں جو بالکل نرالا ہے۔ غالباً آج تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا۔ جن علما نے تصوفِ وجودیہ کی مخالفت کی ہے، ان کی توجہ کبھی اس طرف نہیں ہوئی۔ بہرحال آپ دیکھیں گے تو داد دیں گے۔ ہاں کتابیں نہیں ملتیں، بڑی

---

[۱] سراج الدین پال (۱۸۹۴ء۔۱۹۷۶ء) مراد ہیں۔ وہ ایک علم دوست شخص تھے جن کی کوششوں سے ایم اے او کالج امرت سر کا قیام عمل میں آیا۔ اقبال نامہ اول میں ان کے نام اقبال کے خطوط سے، اقبال سے ان کے گہرے مراسم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

[۲] ان مضامین کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ ان کے نام ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء کے خط میں ان کے ایک اور مضمون کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صیام" کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق"۔(اقبال نامہ: اول، ص ۴۰)

[۳] یہ مضمون ۵ جولائی ۱۹۱۶ء کے وکیل میں شائع ہوا۔ پال کے نام ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کے خط میں اقبال نے اس مضمون کی تعریف کی ہے۔(اقبال نامہ: اوّل، ص ۳۵)

[۴] اقبال کا یہ مضمون ۲۸ جون ۱۹۱۶ء کے وکیل میں شائع ہوا۔ اب یہ مقالات اقبال (ص ۲۸۹) میں شامل ہے۔

[۵] اقبال کا یہ مضمون "تصوف وجودیہ" ہے جو ۱۲ دسمبر ۱۹۱۶ء کے وکیل میں شائع ہوا۔ اسی مضمون کے بارے میں سراج الدین پال کو ایک خط محررہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء میں لکھا: "ایک اور مضمون لکھ رہا ہوں جو وکیل میں شائع ہوگا"۔(اقبال نامہ: اول، ص ۳۵)

دقت ہے۔ شیخ روز بہان[۱] بقلی کی شرح شطحیات[۲] ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں صوفیۂ وجودیہ نے جو خلافِ شرع باتیں کہی ہیں، ان کی شرح ہے۔ اگر یہ رسالہ ہاتھ آ جائے تو تصوف کے بہت سے مسائل پر اس سے روشنی پڑے گی مگر باوجود تلاش کے نہیں دستیاب ہو سکا۔ سُنا ہے کہ لاہر پور[۳] (اودھ) میں ایک سجادہ ہے۔ یہاں کوئی بزرگ قلندر صاحب[۴] گزرے ہیں، جنھوں نے محی الدین ابنِ عربیؒ[۵] کی فتوحات[۱] کی تردید میں ایک

---

۱ شیخ روز بہان بقلی (۱۱۲۸ء- ۱۲۰۹ء) چھٹی صدی ہجری کے ایک عظیم المرتبت صوفی تھے شیراز میں پیدا ہوئے۔ عراق، شام اور حجاز کے سفر تحصیل علم کے لیے کیے۔ چالیس کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے منطق الاسرار زیادہ مشہور ہے۔ منصور ابنِ حلاج کے بڑے مداح تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: طواسین، ترجمہ و تحقیق: عتیق الرحمن عثمانی)۔

۲ شرح شطحیات (تصوف کی اصطلاح میں شطحیات سے مراد ایسے کلمات ہیں جو جذب و مستی اور محبت میں خلافِ شرع صادر ہوں) یہ شیخ روز بہان بقلی کی ایک جامع کتاب ہے۔ بنیادی طور پر یہ عربی میں لکھی گئی لیکن معتقدین اور دوستوں کے اصرار پر شیخ بقلی نے اسے فارسی میں بھی لکھا۔ منصور حلاج کی شطحیات کی شرح ہے۔ فرانسیسی مستشرق ہنری کاربن (Henry Carbin) نے اس کا فارسی متن ایڈٹ کیا اور فرانسیسی مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ یہ کتاب شطحیات کا انسائیکلوپیڈیا کہلانے کی مستحق ہے۔ تفصیل و ترجمہ کے لیے دیکھیے: "شطحیات حلّاج" از اعجاز الحق قدوسی مشمولہ: اقبالیات جنوری ۱۹۷۱ء، جولائی ۱۹۷۱ء)

۳ صوبہ اودھ کا ایک قصبہ ہے جو ضلع سیتا پور میں واقع ہے۔

۴ قلندر سے مراد شاہ تجّا قلندر ہیں۔ اُن کے دو مخطوطوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک مرآة القلندر = مصقلة الاولیاء جو مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے اور دوسرا مراتبِ سند ہے جو رضا لائبریری رام پور میں ہے (دیکھیے: تصوف برصغیر میں: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ص٦٦)

۵ شیخ محی الدین ابن عربی الاندلسی (۱۱۶۵ء- ۱۲۴۰ء)۔ شیخ الاکبر کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ اسلامی تاریخ کی نہایت متنازعہ شخصیت ہیں۔ اقبالیاتی ادب میں ابن عربی دو حوالوں سے اہم ہیں۔ ایک یہ کہ اقبال کے مرشد مولانا روم کے استاد صدر الدین قونوی، شیخ الاکبر کے شاگرد تھے اور دوسرا یہ کہ ابن عربی جس فلسفۂ وحدت الوجود کے مبلغ ہیں، اقبال کے نزدیک وہ یونانی، عجمی اور ویدانتی سے ماخوذ ہے اور یہی امت مسلمہ کے سیاسی و عسکری زوال کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدت تک ابن عربی سے متاثر رہنے کے باوجود، قرآن کے عمیق مطالعے کے بعد، اقبال نے ابن عربی کے نظریات پر انتقاد کیا ہے۔ ابن عربی نے رمزیہ اسلوب سے قرآن و حدیث کی جو تاویلات کی ہیں اقبال کے نزدیک وہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں، (انوارِ اقبال، ص۱۷۸) "جس نقطۂ خیال سے سری شنکر نے گیتا کی تفسیر کی، اسی نقطۂ نظر سے شیخ

مبسوط کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے جو اب تک ان کے جانشینوں کے پاس محفوظ ہے۔ میں نے موجودہ سجادہ نشین کی خدمت میں خط لکھوایا ہے۔ دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔

کپور تھلے اور جالندھر ان شاء اللہ ضرور آؤں گا۔ عجب نہیں کہ ان تعطیلوں میں موقع مل جائے۔ چند روز کے لیے شملہ جاؤں گا، وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے جالندھر اور کپور تھلے کی سیر کا موقع مل سکتا ہے۔ بہرحال یہ قصد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

لاہور میں بارش مطلق نہیں ہوئی۔ لوگ تڑپ رہے ہیں۔ تین روزے رکھے تھے کہ دردِ گردہ[۲] کے دورے کی ابتدا محسوس ہوئی۔ دو روز سے روزے سے بھی محروم ہوں۔

والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۶)

لاہور، ۱۱ر ستمبر ۱۶ء

مخدومی خاں صاحب! السلام علیکم

محی الدین ابن عربی اندلسی نے قرآن پاک کی تفسیر کی"۔(مقالاتِ اقبال، ص۹۵)۔
اقبال اور ابن عربی کے ذہنی روابط کے لیے دیکھیے: مطالعہ اقبال کے نئے رخ، ص۱۶۵-۱۵۱، نیز دیکھیے: طواسین اقبال: دوم، سوم، ص۸- ۱۰)

[۱] کتاب کا پورا نام الفتوحات المکیہ فی معرفت اسرار المالکیۃ و الملکیہ ہے۔ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں مختلف مذاہب اور مسالکپر بحث کی گئی ہے۔ شیخ الاکبر کی یہ تصنیف ان کی پختہ ترین فکر کی آئینہ دار ہے۔

[۲] اقبال مدتوں دردِ گردہ میں مبتلا رہے لیکن اس سے پہلے اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میر ارادہ تو شملہ جانے کا تھا۔ نواب ذوالفقار علی خاں[1] صاحب سے وعدہ تھا اور اُن کے خطوط اب تک بھی آ رہے ہیں مگر بھائی صاحب[2] نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ اگست کا سارا مہینا سیالکوٹ میں قیام کرو۔ سو میں بمع اہل [و] عیال کے ۲۹/ اگست تک وہاں رہا۔ وہاں سے ستمبر شروع ہونے سے پہلے اس واسطے آ گیا کہ اگر مولوی احمد دین وکیل[3] ہمراہ ہو گئے تو ستمبر کا مہینا کشمیر میں بسر کروں[4] گا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے کشمیر چلے گئے ہیں۔ کل منشی سراج الدین[5] میر منشی ریذیڈنسی کا خط آیا ہے کہ چند روز کے لیے چلے آؤ اور نیز یہ کہ چودھری شہاب الدین[6] کو تار دیا ہے کہ وہ تم کو ہمراہ

---

[1] نواب ذوالفقار علی خاں (۱۸۷۳ء۔ ۱۹۳۳ء) کا تعلق مالیر کوٹلہ کے نواب خاندان سے تھا۔ تین برس ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم رہے۔ ان کی تصنیف *A Voice from the East* (۱۹۲۲ء) انگریزی میں اقبال پر سب سے پہلی کتاب ہے۔ بانگ درا، ص۸۷ کی نظم "موٹر" انھی کی موٹر کے بارے میں ہے۔ اقبال سے نہایت قریبی اور گہرا تعلق تھا مگر آخری زمانے میں کسی غلط فہمی کی بنا پر تعلقات برقرار نہ رہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد عبداللہ قریشی کا مضمون در: معاصرین اقبال کی نظر میں، ص۲۵۵

[2] اقبال کے برادرِ بزرگ شیخ عطا محمد (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۴۰ء)

[3] مولوی احمد دین وکیل (۱۸۶۵ء – ۱۹۲۹ء) اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ماہر لسانیات، نقاد، سوانح نگار اور مترجم تھے۔ بیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے، ان میں سرگزشت الفاظ زیادہ مشہور ہے۔ انھوں نے اقبال کی شاعری کے فکری پس منظر اور شعری کارناموں پر کتاب لکھی جس میں اقبال کا اردو کلام بھی شامل کیا۔ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اردو میں یہ پہلی کتاب تھی۔ اقبال ان دنوں بانگِ درا مرتب کر رہے تھے۔ اس لیے اردو کلام کے اس سے ماقبل شائع ہونے کو پسند نہ کیا۔ احمد دین وکیل کو اقبال کی ناراضی کا پتا چلا تو چپکے سے کتاب کے سارے نسخے جلا دیے (مزید دیکھیے: اقبال: احمد دین، مرتب: مشفق خواجہ، ص۲۰۰، ۲۰۳)

[4] اقبال اس سال کشمیر نہ جا سکے۔ ۱۹۲۱ء میں مولوی احمد دین اور منشی طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے۔

[5] منشی سراج الدین (۱۸۷۶ء – ۱۹۴۱ء) کشمیر کی ڈار فیملی کے فرد تھے۔ کلرک بھرتی ہوئے اور ترقی کر کے کشمیر ریذیڈنسی کے میر منشی بنے۔ شعر فہمی کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ شعرا کے کئی دیوان ازبر تھے۔ ان کے نام اقبال کے چار خط اقبال نامہ اوّل (ص۱۶ – ۲۶) میں موجود ہیں۔ اقبال کے بے تکلف دوست تھے۔ (مزید دیکھیے: دانائے راز از نذیر نیازی، ص۲۰۸ – ۲۱۶)

[6] چودھری شہاب الدین (۱۸۶۵ء – ۱۹۴۹ء) خلیفہ عبد الحکیم کے تایا زاد تھے۔ ۱۹۳۰ء میں

لے کر جلد آئیں۔ چودھری صاحب غالباً ڈلہوزی میں ہیں۔ میں اُن کے انتظار میں ہوں کہ وہ آئیں تو اُن کے ہمراہ چند روز وہیں بسر کر آؤں۔ ان شاء اللہ جالندھر ضرور حاضر ہوں گا۔ میاں مبارک علی صاحب کا متبنیٰ میرا موکل رہ چکا ہے۔[1] اگر کتابیں ان کے پاس باقی ہوئیں تو ان کا دیکھنا کچھ مشکل نہیں اور اگر مشکل بھی ہو تو آپ کی موجودگی میں کون سی مشکل ہے جو حل نہ ہو۔

افسوس ہے کہ اگست کے مہینے میں تصوف کی تاریخ[2] پر کچھ نہیں لکھ سکا۔ البتہ مثنوی کے دوسرے[3] حصے کے بہت سے اشعار لکھے گئے، یعنی آدھی مثنوی لکھی گئی۔ کیا عجب کہ باقی بھی جلد تمام ہو جائے اور دوسرے حصے کی اشاعت بھی جلد ہو جائے۔ پہلے حصے کی دوسری اڈیشن[4] کا کاغذ کل خرید کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ[5] رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا اور یہ کام انھوں نے نہایت خوبی سے کیا ہے۔ اُن کی کتاب فضیلت

انھیں "سر" کا خطاب ملا۔ برسوں میونسپل کمیٹی لاہور کے صدر رہے۔ مجلسِ قانون ساز کے ممبر اور پنجاب کے وزیر تعلیم بھی رہے۔ پنجابی کے عمدہ شاعر تھے۔ مسدس حالی کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔ اقبال کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ اقبال کے بہت سے لطائف انھی کے بارے میں ہیں۔

1. جالندھر کی علم دوست شخصیت میاں مبارک علی کا یہ متبنٰی بقول خان نفیس الدین خاں ایک فیشن پرست اور بے ذوق قسم کا لڑکا تھا۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد یہ کتب خانہ نہ سنبھال سکا اور اس طرح یہ کتب خانہ برباد ہو گیا۔
2. تاریخ تصوف: دیکھیے: خط ۲، حاشیہ ۳
3. دیکھیے: خط نمبر ۲، حاشیہ ۱
4. اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی صحیح تاریخ کا تعین ممکن نہیں البتہ اکبر الہ آبادی کے نام ایک خط (اقبال نامہ: اوّل، ص ۵۳- ۵۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جون ۱۹۱۸ء کے بعد شائع ہوئی۔ تصانیف ص ۵۰ کے مطابق یہ ۱۹۱۸ء کے نصف آخر میں چھپی۔
5. شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء – ۱۷۶۲ء) اقبال کے ممدوح علما و صوفیہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ برعظیم کی تاریخ میں علم و ادب کے ارتقا اور دینی خدمات کے حوالے سے ان کی اور ان کے خاندان کی خدمات

الشیخین[۱] بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے آخری حصے میں تصوف پر انھوں نے خوب بحث کی ہے۔ امام غزالی[۲] علیہ الرحمۃ کی نسبت یہ فیصلہ کرنا کہ وہ ہمہ اوست[۳] یا ہمہ از اوست[۴] کے قائل تھے، نہایت مشکل ہے۔ وہ فلسفی تھے اور دونوں طرفوں کی مشکلات کو خوب سمجھتے تھے۔ حال کے حکما میں جرمنی کا مشہور فلسفی لاٹسا[۵] بالکل دوسرا غزالی ہے، یعنی خدا کے سمیع و بصیر ہستی ہونے کا بھی قائل ہے اور ساتھ اس کے اس بات کا بھی قائل ہے کہ وہ ہستی ہر شے کی عین ہے۔ میرے نزدیک منطقی اعتبار سے کوئی آدمی ایک ہی وقت میں ان دونوں شقوں کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے لاٹسا کا فلسفہ یورپ میں مقبول نہ ہوا۔ گو اس کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ وحدت الشہود[۶] اور وحدت الوجود[۱] دونوں کی طرف میلان رکھنے والی

ناقابل فراموش ہیں۔ اقبال کے ان سے فکری روابط کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا مضمون درافکار معلم جولائی ۱۹۹۳ء۔

۱ کتاب کا پورا نام قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ خلفاے راشدین کی زمانی ترتیب درست ہے۔

۲ امام غزالی (۱۰۵۸ء۔ ۱۱۱۱ء) معروف مفکر، فلسفی اور صوفی اقبال کے محبوب صوفیہ میں سے ہیں۔ تصوف کے فلسفے کی تدوین نو سے اسے یونانی اثرات سے نکالا۔ اقبال نے تصوف کے حوالے سے امام غزالی کے مؤقف کو سراہا ہے۔ (مزید دیکھیے: اقبال کے محبوب صوفیہ: اعجاز الحق قدوسی، ص ۷۴۔ ۸۸)

۳ دیکھیے: اسی خط کا حاشیہ ۱۸

۴ دیکھیے: اسی خط کا حاشیہ ۱۷

۵ جرمن سکالر روڈلف ہرمن لاٹسا (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۸۱ء Rudolf Hermann Lotze) فلسفے کا پروفیسر تھا۔ ہیگل کے نظریات سے متاثر تھا۔ اس نے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کو یک جا کرنے کی کوشش کی۔ اس کا یہ غیر فطری انداز مقبول نہ ہو سکا۔ (دیکھیے: برٹانیکا جلد ۷، ص ۴۹۲)

۶ شیخ علاؤ الدین سمنانی (۱۲۶۱ء۔ ۱۳۳۵ء) وحدت الشہود کے بانی خیال کیے جاتے ہیں۔ وحدت الوجود جہاں کائنات کی نفی کرتا اور عالم محسوسات کو ذات حق کا پرتو سمجھتا ہے، وہاں وحدت الشہود کائنات اور موجودات کو تسلیم کرتا ہے مگر انسان کو روح خداوندی کا جزو نہیں کہتا۔ برعظیم میں حضرت مجدد الف

طبائع کے لیے موزوں تھی مگر میرا مذہب تو یہ ہے کہ یہ سارے مباحث، مذہب کا مفہوم غلط سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہب کا مقصود عمل ہے نہ [کہ] انسان کے عقلی اور دماغی تقاضاؤں کو پورا کرنا۔ اسی واسطے قرآن شریف کہتا ہے: **و ما اُوتیتم من الْعلْمِ الا قلیلًا**[۲]۔ اگر مذہب کا مقصود عقلی تقاضوں کو پورا کرنا ہو بھی (جیسا کہ ہنود کے رشیوں اور فلسفیوں نے خیال کیا ہے) تو زمانۂ حال کی خصوصیات کے اعتبار سے اس کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے گی:

اس دور میں سب مٹ جائیں گے، ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو اپنی راہ پہ قائم ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے[۳]

خادم
محمدؐ اقبال

ثانی اس کے بڑے مبلغ ہیں انھوں نے موجودات کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے: ''سورج طلوع ہونے سے ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ موجود ہوتے ہیں''۔ (مکتوباتِ مجدد الف ثانی: مکتوب ۴۳، جلد ۱) اقبال کے نزدیک یہ نظریہ اس لیے پرکشش ہے کہ یہ انائے مطلق کے علاوہ موجودات کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔

۱ وحدت الوجود (ہمہ اوست) کے نظریے کے سب سے بڑے مبلغ ابن عربی ہیں اس کے مطابق وجود صرف ذات واحد ہے، باقی سب اس کا پرتو ہیں۔ بہت سے صوفیہ و فلاسفر اس کے مبلغ ہیں اور کائنات کی ہر چیز میں ذاتِ واحد کو دائر و سائر تصور کرتے ہیں۔ اقبال وحدت الوجود کو مذہب کی بجائے فلسفے کا مسئلہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک وحدت الوجود کے ڈانڈے یونانی، ویدانتی اور زرتشتی فلسفے سے ملتے ہیں۔ اقبال نے مزید وضاحت کی ہے: ''میرا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نظامِ عالم میں جاری و ساری نہیں بلکہ نظامِ عالم کا خالق ہے اور اس کی ربوبیت کی وجہ سے یہ نظام قائم ہے''۔ (مقالات اقبال، ص ۲۰۳)

۲ سورہ بنی اسرائیل آیت: ۸۵، ترجمہ: مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد ۲، ص ۶۴۰)

۳ یہ شعر بانگ درا، ص ۲۸۵ کی ایک ظریفانہ غزل کا ہے۔ (کلیات اقبال اردو، ص ۲۸۵)

(۷)

لاہور، ۷/ فروری ۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

افسوس کہ مثنوی کا دوسرا[1] حصہ ابھی تیار نہیں ہو سکا۔ کل کچھ فرصت مل گئی تھی۔

فقہ کا وہ مسئلہ[2] نظم[3] کیا جس کی رو سے مسلمانوں کو اس دشمن پر حملہ کرنا حرام ہے جو صلح کی اُمید میں اپنے حصار وغیرہ گرا دے۔ اس مسئلے کا ذکر کر کے اس کی حقیقت اور فلسفہ لکھا ہے کہ شرع نے کیوں ایسا حکم دیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں ذہن میں آتی ہیں، مگر قلب کو یکسوئی میسر نہیں۔

آپ نے سفارش ملتوی کی۔ خوب کیا۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔

مولوی[4] اشرف علی، جہاں تک مجھے معلوم ہے، وحدت الوجود کے مسئلے سے اختلاف رکھتے ہیں۔[5] مجھے یقین ہے ان کی کتاب[1] عمدہ ہو گی۔

---

[1] رموزِ بے خودی مراد ہے۔

[2] ایک خط میں اقبال نے اس مسئلے کی وضاحت اس طرح کی ہے: "شریعتِ اسلامیہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران میں، اگر دشمن صلح کے خیال سے اپنے قلعے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی فوج پراگندا کر دے اور بعد میں اس کا یہ خیال غلط ثابت ہو یعنی صلح نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر حملہ نہ کریں، جب تک بارِ دگر وہ اپنی فوجوں کو مرتب نہ کرے اور اپنے قلعوں کی تعمیر نہ کرے"۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص۱۰۹، ۱۱۰)

[3] یہ اشعار مثنوی اسرارِ خودی میں "در معنی ایں کہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الٰہیہ است" کے تحت (شعر ۱۱ تا ۱۸) درج ہیں۔ اقبال نے یہ اشعار مولانا گرامی کو بغرض اصلاح بھیجے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکاتیب بنام گرامی، ص۱۱۱- ۱۱۲

[4] مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء - ۱۹۴۳ء) معروف عالم دین، مفکر اور واعظ تھے۔ ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ (دائرہ معارف جلد ۲، ص۷۹۳) التکشف عن مہمات التصوف ان کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ یہ کئی رسالوں کا مجموعہ ہے۔

[5] ۱۹۰۹ء میں مولانا تھانوی نے مسائل المثنوی کے نام سے ایک رسالے میں، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔ انھوں نے لکھا کہ ہم وجود کے ایک ہونے کی بات

ان شاء اللہ کپور تھلے اور جالندھر جانے کے لیے وقت نکالوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمدؐ اقبال، لاہور

(۸)

لاہور، ۲/مارچ ۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا، جسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ کو وہ غزل پسند ہوئی[2] بہت عرصہ ہوا، لکھی گئی تھی۔[3] معلوم نہیں کس نے اسے مخزن میں اشاعت کے لیے بھیج دیا۔

کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی ہے البتہ سالک کو ایک نظر آتا ہے۔ اقبال غالباً مولانا تھانوی کی تصانیف کلید مثنوی (مثنوی مولانا روم کے دفتر اوّل کی شرح) اور مسائل المثنوی کے مطالعے کے بعد مولانا تھانوی کے نقطۂ نظر کے قائل ہوئے تھے۔ (دیکھیے: التکشف، ص ۱۱۲- ۱۱۵ بحوالہ مجلہ اقبال جنوری / اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۵)

[1] مسائل المثنوی مراد ہے۔

[2] یہ غزل مخزن ۱۹۱۷ء کے فروری مارچ کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اس کا مطلع ہے:

پردہ چہرے سے اٹھا، انجمن آرائی کر
چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر

اب بانگِ درا (ص ۲۷۶) میں شامل ہے۔

[3] بیاض اعجاز میں یہ غزل، اپریل ۱۹۰۳ء کے مخزن میں شائع ہونے والی غزل: ع

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی ...

کے ساتھ درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل پہلے دور کی ہے اور اقبال کا یہ کہنا "بہت عرصہ ہوا" درست ہے۔ اب یہ غزل بانگِ درا (ص ۲۹۵) میں بعد کے کلام کے ساتھ درج ہے۔ (عکس بیاض اعجاز، مخزونہ: سرحد اردو اکیڈیمی قلندر آباد)

میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔[۱] مشاغلِ ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالمِ تخیل میں قرونِ اُولیٰ کی سیر۔ مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے، وہ زمانہ خود کیسا ہو گا۔

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا[۲]

مثنوی کا دوسرا حصہ جس کا نام رموزِ بے خودی ہو گا، ان شاء اللہ اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے گا۔ آج کل لاہور میں مولانا گرامی جالندھری[۳] تشریف فرماہیں اور میرے ہاں قیام پذیر ہیں۔ خوب شعر بازی رہتی ہے[۴]، کل ہوشیار پور واپس جائیں گے۔

---

[۱] اسی طرح کا احساس، اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک خط (۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء) میں بھی ملتا ہے: "لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس ہجوم میں تنہا ہوں۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جا سکے"۔ (اقبال نامہ: دوم، ص ۳۵)

[۲] بانگِ درا کی نظم "بلالؓ" (ص ۸۰) کا آخری شعر ہے۔

[۳] فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر مولانا غلام قادر گرامی (م: ۱۹۲۷ء) اقبال کے بے تکلف دوستوں میں شامل تھے جنھیں اقبال عرفی و نظیری کا ہم پلہ گردانتے تھے۔ پیشہ معلمی تھا۔ کچھ عرصہ دربار دکن سے وابستہ رہے اور "ملک الشعرا" کا خطاب پایا۔ انھیں بے شمار مثنویاں اور دیوان ازبر تھے۔ اپنے فارسی کلام میں اقبال ان سے مشورہ کرتے۔ گرامی کے نام اقبال کے خطوط سے ان کے تعلقات کی قربت اور گہرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: معاصرین اقبال کی نظر میں، ص ۱۹۶، نیز: مقدمہ مکاتیب بنام گرامی از محمد عبد اللہ قریشی)

[۴] گرامی جب بھی اقبال کے ہاں تشریف لاتے تو کئی کئی دن قیام کرتے۔ اقبال اپنی دیگر تمام سرگرمیاں مختصر یا معطل کر دیتے اور شعر بازی ہوتی اور دونوں کا استغراق دیکھنے کے لائق ہوتا۔ اس سلسلے میں شیخ عبد الشکور نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ انھوں نے منشی طاہر دین سے اقبال کی قانونی پریکٹس کے بارے دریافت کیا، تو وہ انھیں بازار کی طرف لے گئے جہاں سے اقبال کے مکان کی بالکونی نظر آتی تھی۔ یہاں انھوں نے دو آدمی آمنے سامنے کمبل اوڑھے بیٹھے دیکھے، شیخ طاہر دین کہنے لگے: "شکور صاحب! وہ ایک تو آپ کے ڈاکٹر اقبال ہیں اور دوسرے گرامی صاحب ہیں۔ یہ دونوں حضرات تین دن سے یہاں براجمان ہیں، یہیں کھانا کھاتے ہیں اور نیند آنے پر یہیں لیٹ بھی جاتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

(۹)

مخدومی! السلام علیکم!

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ جو شعر میں نے کسی پہلے خط میں لکھا تھا وہ ایک نظم کا، جو کئی سال ہوئے میں نے عشقِ بلالؓ پر لکھی تھی، آخری شعر ہے۔ باقی اشعار ذہن[1] میں محفوظ نہیں رہے۔ مخزن کے پرانے نمبر اگر آپ کے پاس ہیں[2] تو ان میں مل جائے گی، میں بھی تلاش کروں گا۔ مل گئی تو حاضرِ خدمت کروں گا۔

گرامی صاحب سنا ہے، جالندھر آنے والے ہیں۔ مجھ کو بھی طلب کیا ہے مگر میں کئی دنوں سے بوجہ دورۂ دردِ گردہ کے مضمحل ہوں، اس واسطے معذور ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

آج کل موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ ہر بات میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ والسلام

مخلص

صاحب کوئی شعر پڑھتے ہیں تو گرامی صاحب سر ہلانے لگتے ہیں اور اگر گرامی صاحب کوئی شعر پڑھتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب سر ہلانے لگ جاتے ہیں"۔ (مجلہ اقبال، اقبال نمبر، اپریل۔ جولائی ۱۹۷۷ء، ص۱۵۵)

[1] اقبال نے ۲ مارچ ۱۹۱۷ء کے خط میں یہ شعر لکھا تھا:

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

[2] "بلالؓ" کے عنوان سے بانگ درا میں دو نظمیں ص ۸۰ اور ص ۲۴۲ پر درج ہیں۔ دونوں کا موضوع اور عنوان ایک ہے۔ خط میں مذکور نظم اولاً مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اب یہ بانگِ درا (ص۸۰) میں شامل ہے۔

۲۱/ مارچ ۱۷ء محمد اقبال

(۱۰)

لاہور، ۲۷جون ۱۷ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا، جس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں اور مولوی گرامی صاحب بھی اب آلام و افکار سے آزاد ہیں۔[1] عرصہ ہوا، میں نے انھیں خط لکھا تھا مگر ان کے لیے خط کا جواب دینا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا روس کا موجودہ حالت میں جرمنی سے لڑ سکنا۔[2] بہر حال یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ وہ جالندھر آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے زیادہ پُر لطف چیز اور کون سی ہے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو میں یہ ایّام بھی ہوشیار پور میں اُن کی صحبت میں گزارتا۔ میری نسبت وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں محبت کا مبالغہ شامل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

مگر مولوی گرامی صاحب کا وعدہ وہی ہے جس کی نسبت مرزا غالب مرحوم عرصہ ہوا کہہ گئے ہیں:

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا الخ[3]

---

[1] بیگم گرامی کی صحت یابی کی طرف اشارہ ہے۔ اس خط کے ایک دن بعد مولانا گرامی کو ایک خط (۲۸ جون ۱۷ء) میں اسی خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کل نیاز الدین خاں صاحب کا جالندھر سے خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ گرامی کی بیگم صاحبہ اب بفضلہ اچھی ہیں اور یہ کہ آپ کے افکار و آلام کا خاتمہ ہوا"۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۲۲)

[2] جون ۱۹۱۷ء میں روس میں سرخ انقلاب سے پہلے زارِ روس اور بالشویکوں کے ریڈ گارڈز میں جنگ جاری تھی اور اس باہمی خلفشار کی وجہ سے روسی جرمنوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے۔ اُن دنوں جرمن دستے روسی دارالحکومت پیٹرو گراڈ (اب لینن گراڈ) کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ (دیکھیے: *The World Book Encyclopedia*، ص ۳۷۴)

[3] غالبؔ کے اس شعر کا دوسرا مصرع ہے

مجھے یہ اندیشہ [ہے] کہ اگر میں ان سے ملنے کے لیے جالندھر آیا تو پھر وہ لاہور نہ آئیں گے۔ خیر یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جالندھر آتے بھی ہیں یا نہیں۔[۱]

واقعی آم درد گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے بہت محبت ہے۔ کھانے کی چیزوں میں صرف یہی ایک چیز ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کے لیے خواہش نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ روز مرہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

ہاں آموں پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ گذشتہ سال مولانا اکبر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا، میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبر!
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا[۲]

رموزِ بے خودی کو میں اپنے خیال میں ختم کر چکا تھا مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ترتیب مضامین کرتے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیاتِ ملیہ اسلامیہ میں کیا ہے۔ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصۂ مثنوی کو ختم سمجھنا چاہیے۔ مگر ایسے ایسے مطالب ذہن میں آئے ہیں کہ خود مسلمانوں[۳] کے لیے موجبِ حیرت و مسرت ہوں گے کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملتِ اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

[۱] گرامی لاہور آنے کا وعدہ کرتے مگر وعدہ ایفا نہ ہوتا، اور بار بار ایسا ہوتا۔ اس ضمن میں اقبال انھیں ایک خط میں لکھتے ہیں: "اس پیش گوئی کے لیے کہ گرامی لاہور کبھی نہ آئے گا، کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں۔ جالندھر اور ہشیارپور کا ہر شیر خوار بچہ بلا تامل ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے"۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۳۷)

[۲] کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال، ص ۵۲۹-

[۳] یہاں مغرب زدہ مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے۔

جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ نئے سکول کے مسلمانوں کو معلوم ہو گا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سُست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ قومیت کے اُصول حقہ صرف اسلام نے ہی بنائے ہیں جن کی پختگی اور پایداری مرورِ ایام واِعصار سے متاثر نہیں ہو سکتی۔ والسلام

اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال

(۱۱)

لاہور، ۴/ نومبر ۱۷ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

گرامی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ محرم میں تشریف لائیں گے مگر الکوفی لا یوفی۔[۱] اب معلوم نہیں، کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ عرصے سے ان کا خط بھی نہیں آیا۔

پنڈت چھجو رام[۲] صاحب کی رائے سے کوئی تعجب مجھے نہیں ہوا۔ ہر شخص ہر کتاب کو اپنے خیالات کی روشنی میں پڑھتا ہے اور اس کے مضامین سے وہی نتائج نکالتا ہے جن کی، اس کی دماغی تربیت مقتضی ہوتی ہے۔ سیاسیات مسلمانوں میں کوئی علاحدہ شے نہیں بلکہ خالص مذہبی نکتۂ خیال سے کچھ شے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے تو مذہب کی لونڈی ہے۔ کعبہ آباد است[۳] الخ والا مصرع اس وقت لکھا گیا تھا جب موجودہ حالات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔[۱]

---

۱ اس عربی کہاوت کا ترجمہ ہے: کوفے کا باسی وفا نہیں کرتا۔

۲ پنڈت چھجو رام جالندھر میں وکالت کرتے تھے۔ انھوں نے اسرارِ خودی پر تبصرہ کیا ہو گا کیوں کہ ان دنوں اسرارِ خودی کا معرکہ سرد نہیں ہوا تھا۔

۳ اسلام دین و دنیا کی دوئی کی تردید کرتا ہے اسی لیے اقبال سیاست کو اسلامی نقطۂ نظر سے حصول مقصد کا ایک ذریعہ اور اسے دین کے تابع سمجھتے ہیں:۔

دوسرا حصہ ان شاء اللہ اس سال سے پہلے ختم ہو جائے گا۔[۲] صرف چند اشعار کی کسر باقی ہے۔ اگر آج وہ اشعار لکھے جائیں تو ایک ہفتے کے اندر نقل کر کے کتاب مطبع میں دی جا سکتی ہے۔ مگر میں انتظار میں ہوں کہ وہ اشعار آئیں تو ان کو مثنوی میں داخل کروں۔ دوسرے حصے کے مضامین سے پہلے حصے پر کافی روشنی پڑے گی اور بہت سی تشریحات جو پہلے حصے کے اشعار کی، کی جا رہی ہیں، خود بخود غلط ہو جائیں گی۔ اسلامی nationalism کی حقیقت اس سے واضح ہو گی اور یہ کہنے میں کوئی مبالغہ یا خود ستائی نہیں کہ اس رنگ کی کوئی نظم یا نثر اسلامی لٹریچر میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

گرامی صاحب تو امام غائب[۳] ہو گئے۔ معلوم نہیں اس غَیبتِ صغریٰ[۴] کا زمانہ کب ختم ہو گا۔

کعبہ آباد است از اصنام ما
خندہ زن کفر است بر اسلام ما

[۱] شعر جنگِ عظیم اول کے شروع ہونے سے قبل اور خط نومبر ۱۹۱۷ء میں لکھا گیا۔

[۲] دوسرے حصے سے مراد رموزِ بے خودی ہے، جو نومبر ۱۹۱۷ء میں مکمل ہوئی اور پھر سنسر اور کتابت کے مراحل سے گزر کر اپریل ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ (تصانیف، ص ۹۷،۹۸)

[۳] اثنا عشری مسلک کے امام حسن عسکری کے فرزند (پ: ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ / ۸۶۸ء) کے بارے میں اہل تشیع کہتے ہیں کہ وہ عباسی حکمران معتمد بن متوکل کے دور حکومت میں پانچ برس کی عمر میں غائب ہو گئے۔ گویا وہی امام مہدی یا امامِ منتظر ہیں جن کا ظہور ہو گا۔ وہ دجّال کا مقابلہ کریں گے۔ اسی دوران میں حضرت عیسیٰ کا ظہور ہو گا اور دونوں مل کر بدی کا خاتمہ کر دیں گے۔ امام غائب کا پایہ تخت کوفہ ہو گا۔ (دیکھیے: چودہ ستارے: سید نجم الحسن کراروی، ص ۴۶۴ - ۴۶۸)

[۴] "امام غائب کی غَیبت دو طرح کی ہے۔ غَیبتِ صُغریٰ، جس کی مدت ۷۳ یا ۷۵ سال تھی اس طرح وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ مختلف النوع امور سر انجام دیتے رہے اس کے بعد غَیبتِ کبریٰ کا دور شروع ہوا، جو تاحال جاری ہے اور امام کے دوبارہ ظہور تک جاری رہے گا"۔ (کتابِ مذکور ص ۴۶۶، نیز دیکھیے: مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی، ص ۳۵۷،۳۵۸)

خاکسار

محمدؐ اقبال

(۱۲)

لاہور، ۲۷/نومبر ۱۷ء

مخدومی جناب خاں صاحب! السلام علیکم

مثنوی ختم ہو گئی۔[۱] اسے نقل کر رہا ہوں۔ چند روز کے بعد پریس میں دے دی جائے گی۔ مولوی گرامی نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کی تقریظ کے بغیر مثنوی شائع نہ ہو۔ مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ تقریظ کے اشعار ارسال فرمائیں۔[۲] مجھے ان کا پتا معلوم نہیں ورنہ آپ کو پیغام بَری کی زحمت نہ دیتا اور ان کو براہِ راست خط لکھتا۔

پندرہ روز کے اندر اندر تقریظ مل جانی چاہیے۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال

(۱۳)

لاہور، ۲۷/دسمبر ۱۷ء

---

[۱] یہ مثنوی رموزِ بے خودی کی تکمیل کی، پہلی اطلاع ہے سنسر اور کتابت کے مراحل سے گزر کر یہ اپریل ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ (تصانیف: ص۹۸)

[۲] تقریظ کے اشعار گرامی نے بھیجے۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے گرامی کو ایک خط میں لکھا: ''تقریظ کے شعر آپ نے خوب لکھے مگر یہ اشعار تو پہلے حصے کی تقریظ کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ دوسرے حصے میں جو اَب شائع ہو گا، حیات ملی یعنی اجتماعی زندگی کے اصول پر بحث ہے اور خالص اسلامی نکتۂ خیال سے۔ اس کے علاوہ یہ اشعار بہت تھوڑے ہیں''۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص۱۳۶) علّامہ کو امید تھی کہ بابا گرامی دوبارہ تقریظ لکھیں گے مگر ایسا نہ ہوا اور مثنوی کتابت کے لیے دے دی گئی۔

مخدومی جناب خاں صاحب! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ کیا کہیے، دل کو تو آپ سے انس ہے مگر جالندھر لاہور سے دور ہے۔ تاہم تعطیلوں کی وجہ سے ضرور حاضر ہوتا مگر دقّت یہ آ پڑی کہ میرے والدِ مکرم پرسوں لاہور تشریف لائے ہیں۔ کل شیخ عمر بخش[1] سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی معرفت بھی یہی پیغام ارسال کر چکا ہوں۔ گاؤں کی زندگی واقعی قابل رشک ہے اور اگر جالندھر کے افغانوں میں کچھ اپنے قومی و ملی خصائص ابھی تک محفوظ[2] ہیں تو اسی زندگی کی وجہ سے۔ مگر گنے کی کھیر سے یارانِ ہم دم کی صحبت شیریں تر ہے اور اس میں صرف اس قدر نقص ہے کہ ہر وقت میسر نہیں آتی۔

مثنوی کل سنسر کے محکمے سے واپس آ گئی[3] ہے۔ ان شاء اللہ آج کاتب کے حوالے کی جائے گی۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ گرامی صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیجیے

---

[1] یہ ہوشیار پور کے شیخ عمر بخش کا ذکر ہے۔ ان خطوط میں جہاں جہاں صرف شیخ صاحب کا ذکر آیا ہے اس سے شیخ عمر بخش ہی مراد ہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ نیاز کے بیٹے خان نفیس الدین خاں نے ایک ملاقات (۹ جولائی ۱۹۹۲ء) میں راقم الحروف کو بتایا کہ شیخ صاحب علامہ اقبال، نیاز اور مولانا گرامی کے مخلص دوست تھے۔ لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس کرتے تھے۔ جالندھر آنا جانا رہتا تھا چنانچہ اقبال اور نیاز کے درمیان پیغام رسانی کا کام بھی کرتے تھے۔

[2] افغانوں کی مہمان نوازی، بہادری، حریت پسندی، عسکری صلاحیت اور ان کی ملی و دینی غیرت جیسے خصائص اقبال کو بے حد پسند تھے۔ اقبال کو پشتو کی مارشل شاعری اسی وجہ سے پسند تھی۔ وہ غلام ہندستان کے باسی تھے، مگر آزاد افغانستان ان کی امیدوں اور ملّت کے روشن مستقبل کے حوالے سے ان کی امیدوں کا مرکز رہا۔

[3] جنگ عظیم اول کے دوران میں انگریز حکومت کتابوں کے مسودے سنسر کیا کرتی تھی۔ رموزِ بے خودی کا سنسر کیا ہوا یہ مسودہ اقبال میوزیم لاہور میں موجود ہے ہر صفحے پر پریس برانچ آفیسر عبد العزیز کے مختصر دستخط اور آخر میں دستخط مع تاریخ (۱۷-۱۲-۲۵ء) ثبت ہیں۔ (تصانیف، ص ۹۷)

گا۔ ان کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔ آپ کو تو معلوم ہو گا، وہ بڑے مقدمہ باز ہو گئے ہیں[۱]۔ میں نے سُنا ہے کہ کسی دیوانی مقدمے میں انھوں نے جوابِ دعویٰ نظم میں دیا ہے[۲]۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۱۴)

۹/ مارچ ۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

فقیر صاحب[۳] کا ذکر شیخ صاحب[۴] سے سُنا تھا۔ مجھے بھی اُن کے دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ مولوی گرامی صاحب کی بیوی[۵] کا خط دربارہ گواہی[۶] مجھے آیا تھا۔ وہ مجھ سے قبضۂ مکان کی

---

۱ مولانا گرامی نے اپنی بہن فضل بی بی زوجہ شیخ نصیر الدین کے خلاف جدّی مکان سے بے دخلی کے لیے دیوانی مقدمہ قائم کر رکھا تھا۔ اقبال کا اشارہ اسی مقدمے کی طرف ہے۔

۲ مولانا گرامی کی افتادِ طبع سے بعید نہیں کہ انھوں نے منظوم جوابِ دعویٰ داخل کیا ہو، اگرچہ عدالت کے سنجیدہ معاملات میں ایسا نہیں ہوتا۔

۳ اقبال کو زندگی میں کئی فقیروں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ کبھی یوں بھی ہوا کہ رات ایک دو بجے ایک فقیر صاحب آئے اور اقبال کو قلندر کہہ کر لاہور چھوڑنے کی اجازت چاہی۔ یہ فقیر صاحب کون ہیں اقبال کے سوانحی مواد اور ملفوظات میں کہیں واضح ذکر نہیں ملتا۔

۴ شیخ عمر بخش ہوشیار پوری (دیکھیے: خط ۱۳، حاشیہ ۱)

۵ مولانا گرامی کی بیگم نوراں بھری ترت اچھی شاعرہ تھیں۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی نے بیگم گرامی کے نام اقبال کے خطوط مرتب کیے ہیں۔ (اب یہ خطوط، محمد عبد اللہ قریشی کے مرتبہ مکاتیب بنام گرامی، طبع دوم ۱۹۸۱ء میں شامل ہیں)

۶ بیگم گرامی چاہتی تھیں کہ جدّی مکان سے گرامی کی بہن کی بے دخلی کے مقدمے میں اقبال ان کے حق میں گواہی دیں مگر: ”اقبال لاہور میں فرقہ وارانہ کشیدگی کی وجہ سے مصروف تھے۔ انھوں نے کمیشن کے ذریعے اپنا بیان داخل کرنے کی تجویز پیش کی... آخر مقدمہ فریقین کے راضی نامے پر ختم ہو گیا“۔ (مقدمہ مکاتیب بنام گرامی، ص ۴۲)

شہادت دلوانا چاہتے ہیں مگر میری شہادت ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتی۔ میں نے ان کو مفصّل لکھ دیا ہے[1] معلوم نہیں میرا خط اُن کو ملا یا نہ ملا۔

چند روز میں ایم اے کا زبانی امتحان لینے کے لیے الٰہ آباد جانے والا ہوں[2] اور یہ ممتحنی میں نے محض اس واسطے قبول کر لی کہ مولانا اکبر[3] کی زیارت کا بہانہ ہو جائے گا۔ خواجہ دل محمد صاحب والا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ان کی نظم دیکھنے میں آئی۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۱۵)

مکرمی! السلام علیکم

میں الٰہ آباد جانے والا تھا مگر مولانا اکبر کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں پلیگ زوروں پر ہے۔ والدِ مکرم نے، جو چند روز ہوئے یہاں تھے، یہ خط دیکھ کر مجھے الٰہ آباد جانے سے روک دیا۔ دہلی جانے کا قصد تھا مگر وہاں بھی نہ گیا۔ نواب صاحب جاتی دفعہ مجھ سے کہہ گئے تھے

---

[1] تفصیل ملاحظہ ہو: مکاتیب بنام گرامی، ص۱۴۶-۱۴۳

[2] اقبال نے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۳ء تک مختلف یونیورسٹیوں خصوصاً پنجاب یونیورسٹی میں بحیثیت پرچہ ساز، ممتحن، صدر ممتحن، کنوینر بورڈ آف سٹڈیز برائے عربی و فارسی اور رکن نصاب ساز کمیٹی کام کیا۔ وکالت کے بعد یہ اقبال کی آمدن کا دوسرا بڑا ذریعہ تھا۔ (مزید دیکھیے: اقبال ایک تحقیقی مطالعہ: ڈاکٹر ملک حسن اختر، ص۱۴۵-۹۳، نیز دیکھیے: مفکر پاکستان: حنیف شاہد، ص۱۷۱)

[3] علامہ اقبال، اکبر الٰہ آبادی (۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء) کے دلی عقیدت مند تھے۔ انھیں پیر و مرشد اور رہبر کہتے تھے، ان کے تتبع میں شعر گوئی بھی کی۔ اقبال تین دفعہ اکبر سے ملاقات کے لیے الٰہ آباد گئے تھے۔ (مزید دیکھیے: ”علامہ اقبال اور اکبر الٰہ آبادی“ رحیم بخش شاہین، مشمولہ: اقبال، اقبال نمبر، اپریل، جولائی ۱۹۷۷ء، ص۱۶۲- ۲۰۴)

کہ ۲۲ مارچ کو واپس لاہور آ جائیں گے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ کسی اور جگہ جانے والے نہیں ہیں۔

۲۸ مارچ کو ان کے ایک مقدمے کی تاریخ لدھیانے میں ہے۔ کمیشن مقرر کردہ عدالت نے خود ان کو بیان کے لیے طلب کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس تاریخ کو لدھیانے جائیں۔ باقی حالات مجھے معلوم نہیں۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۰ مارچ، ۱۸ء

(۱۶)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں اگر شیخ عمر بخش صاحب کبوتر نہیں لائے۔ میں چاہتا ہوں کہ کبوتر یہاں اکتوبر میں آئیں، اس سے پہلے نہ آئیں۔[1] میں چند روز تک سیالکوٹ جانے والا ہوں۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کروں گا۔ ستمبر کے آخر میں شاید یہاں آنا ہو گا۔ امیر الدین خاں[2] کو بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اس کے متعلق کیا عرض کروں، آپ کو میری افتادِ طبیعت سے بخوبی آگاہی ہے۔

---

[1] کبوتر، ان خطوط کا اہم موضوع ہیں۔ اقبال، نیاز الدین خاں کے علاوہ لدھیانے اور شاہ جہان پور سے بھی کبوتر منگواتے تھے۔ نیاز صاحب کے ہاں سے کبوتر یا تو شیخ عمر بخش وکیل لایا کرتے یا نیاز کے بیٹے نو بہار الدین خاں۔ ان دنوں اقبال کے والد بیمار تھے اور اقبال ستمبر کا مہینا سیالکوٹ میں گزارنا چاہتے تھے۔

[2] خان امیر الدین خاں، نیاز الدین خاں کے چھوٹے بھائی اور چوٹی کے وکیل تھے۔ پشاور ہائی کورٹ کے سابقہ چیف جسٹس خان بشیر الدین خاں انھی کے صاحبزادے تھے۔

گرامی صاحب نے شاید ملک الموت کو کوئی رباعی کہہ کر ٹال دیا ہے اور کیا تعجب کہ ہجو کہنے کی دھمکی دے دی ہو۔

اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

۲۶ر جولائی ۱۸ء محمدؐ اقبال

(۱۷)

لاہور، ۱۲ر اکتوبر ۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب خاں صاحب! السلام علیکم

میں ۳۰ ستمبر کو لاہور واپس آ گیا تھا اور اب کہیں جانے کا قصد نہیں۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہیں۔ گرامی صاحب سُنا ہے لاہور آنے والے ہیں۔ میں نے آج ایک عریضہ اُن کی خدمت میں لکھا ہے۔[1]

ڈاکٹر عبد الرحمن بھوپالی[2] نے ایک مضمون مثنویوں پر انگریزی میں لکھا ہے جو رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ[3] میں شائع ہوا ہے۔ اگر آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو تو لکھیے کہ اس کی ایک کاپی بھیج دوں۔ اس کی کاپیاں ایسٹ اینڈ ویسٹ والوں نے علاحدہ بھی شائع کی ہیں اور صاحبِ مضمون نے چند کاپیاں مجھے بھیج دی تھیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: مکتوب اقبال نمبر ۳۸ بنام گرامی محررّہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۸ء، ص ۱۴۷

[2] عبد الرحمن [بجنوری] بھوپالی (۱۸۸۵ء - ۱۹۱۸ء) بھوپال کے قانون دان، ماہر تعلیم اور شاعر۔ بارایٹ لا اور پی ایچ ڈی تھے۔ ان کی شہرت کا بڑا سبب محاسن کلام غالب ہے۔ بھوپال میں مشیر تعلیم بھی رہے۔ ۳۳ سال کی مختصر عمر میں انفلوئنزا کے سبب فوت ہو گئے۔ اقبال سے ان کی خط کتابت رہی۔ (نقد بجنوری: ڈاکٹر حدیقہ بیگم، ص ۲۱)

[3] ممبئی کے مشہور سیاست دان مالا باری کے انگریزی ماہنامے *East and West* میں عبد الرحمن بجنوری کا مضمون Iqbal: His Persian Masnawis کے عنوان سے اگست ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا۔ اب یہ *Tribute to Iqbal* مرتبہ: محمد حنیف شاہد میں شامل ہے۔

کبوتروں کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ بخار کا اب تک تو حملہ مجھ پر نہیں ہوا۔ کونین کا استعمال میں نے کبھی نہیں کیا، سوائے حالتِ بخار کے اور وہ بھی نہایت کراہت کے ساتھ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۱۸)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کے ہاں تاحال خیریت ہے۔ یہاں بھی خدا کے فضل و کرم سے اس وقت تک خیریت ہے۔ لاہور میں وبا کی شدت بہت ہے۔[1] یہاں تک کہ گورکن بھی میسر نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ سب جگہ اپنا فضل کرے۔ اس بیماری کے جراثیم تمام دنیا کی فضا میں پائے جاتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اطبّا اس کی تشخیص سے عاری ہیں۔ دوائی سے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا کہ دوائی میسر نہیں ہوتی۔ دار چینی کا استعمال کہتے ہیں، مفید ہے۔ قہوہ دو چار دفعہ دن میں پینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمائے۔ والسلام

---

[1] ان دنوں برعظیم میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں علاج معالجے کی سہولتیں کم تھیں اور سیکڑوں افراد لقمہ اجل بن رہے تھے۔ اقبال اس بارے میں ایک اور خط میں لکھتے ہیں: ”لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہیں اور ابھی کمی کے آثار نہیں“۔ (اقبال نامہ: دوم، ص ۷۱)
آج کل انفلوئنزا کو معمولی خیال کیا جاتا ہے مگر ان دنوں اس کی نوعیت اور تھی۔ نواب مشتاق احمد خان لکھتے ہیں: ”آج کل جس بیماری کو انفلوئنزا یا فلو کہا جاتا ہے اس سے اُس وبا کا اندازہ نہ لگائیے۔ پہلی جنگ عظیم کا یہ تحفہ ایک قہرِ الٰہی تھا جس میں پچاس سے ساٹھ فیصد مریض جان بحق ہو جاتے“۔ (کاروان حیات، ص ۸۰)۔
مکاتیبِ اقبال بنام نیاز کی اولین اشاعت میں اس خط پر ذیل کا حاشیہ درج ہے: ”۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کی وبا پھیلی تھی اور مرگِ انبوہ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی“۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

لاہور، ۲۹/ اکتوبر ۱۸ء

(۱۹)

لاہور، ۱۲/ نومبر ۱۸ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

کبوتروں کے دو جوڑے مل گئے اور آج آپ کا والا نامہ بھی مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ان شاء اللہ ان کو حفاظت سے رکھا جائے گا۔ اور اگر کبھی اپنے سے جُدا کرنے کی ضرورت ہوئی تو آپ کی خدمت میں انھیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ اس عطیے کے لیے آپ کا شکریہ ہے اور مزید شکریہ اس وقت ادا کروں گا جب ان کے جوہر مجھ پر آشکار ہو جائیں گے۔

گرامی صاحب بیماری کے خوف سے، سُنا ہے خانہ نشین ہیں۔ ان کی جگہ ان کا خط آیا تھا۔ ان کے خود آنے کی یہاں کسی کو توقع نہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کا فضل و کرم ہے۔ لاہور میں اب بیماری کا زور نہیں رہا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مرض دور ہو گیا۔[۱]

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲۰)

لاہور، ۲۸/ جنوری ۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

---

[۱] جیسا کہ سابقہ خط ۱۸ میں ذکر ہو چکا ہے، اُن دنوں انفلوئنزا کی وبا پھیلی ہوئی تھی، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مارچ میں آپ لاہور تشریف لاویں تو مولوی گرامی صاحب کو بھی ہمراہ لائیں۔ وہ ایک مدت سے وعدہ کر رہے ہیں مگر کبھی ایفا نہیں کرتے۔ کیا خوب! آپ نے سُنا کہ اقبال نے وکالت چھوڑ دی[1] شاید یہ بھی کسی نے کہا ہو کہ کسی جنگل میں کٹیا بنالی ہے اور ہاؤ ہُو کے نعرے بلند کر رہا ہے۔ بہر حال روزی کے لیے سب ڈھنگ ہیں۔ بیرسٹری چھوڑے گا تو کوئی اور ڈھنگ اختیار کرنا ہو گا۔ کسی نے خوب گپ اُڑائی ہے۔ معلوم نہیں اس کا مقصد اس خرافات سے کیا تھا؟

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۲۱)

لاہور، ۵ر فروری ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

الحمدللہ کہ گرامی صاحب بستی[2] میں تشریف لائے[1] اور آپ کی آرزو پوری ہوئی۔ کاش میں بھی وہاں موجود ہوتا اور ان کے تازہ افکار سے بہرہ اندوز ہو کر لذتِ روحانی حاصل

---

[1] علامہ اقبال نے وکالت کا آغاز، انگلستان سے واپسی پر ۱۹۰۵ء میں کیا تھا۔ یہی قانونی پریکٹس ان کا ذریعہ معاش تھی۔ ۱۹۳۵ء میں جب ان کی صحت خراب ہو گئی اور گلا بھی بیٹھ گیا تو مجبوراً انھوں نے وکالت ترک کر دی۔

[2] بستی سے مراد بستی دانش منداں ہے۔ یہ جالندھر کے نواح میں پٹھانوں کی دوسری بستیوں کے درمیان تھی۔ جالندھر گزیٹیر کے مطابق مولانا محمد ابراہیم دانش مند نے ۱۲۰۹ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ اقبال کے مکتوب الیہ خان نیاز الدین خاں اسی بستی کے رہنے والے تھے۔ نیاز کے بیٹے خان نفیس الدین خاں نے بستی دانش منداں کے نام سے ایک کتابچہ بھی لکھا ہے۔ (مزید دیکھیے: تذکرہ افاغنۂ جالندھر: محمد ایوب خان، ص۲۰۱- ۲۰۶، جالندھر گزیٹیر، ص۱۰۰-۹۹)

کرتا۔ آخر فروری یا ابتداے مارچ میں دہلی جانے کا قصد ہے۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے اس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ لاہور سے دہلی جاتے ہوئے یا وہاں سے واپس آتے ہوئے ان شاء اللہ جالندھر ٹھہروں گا اور آپ سے اور گرامی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔ ہاں گرامی صاحب نے مصرع خوب لگایا۔[۲] مسلمان کے پاس سواے خدا کے اور کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا حال عنقریب روشن ہو جائے گا۔ آپ نے سنا ہے: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[۳] (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟) زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ مولانا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ یہ شعر بھی ان کی خدمت میں پیش کیجیے اور میری طرف سے عرض کیجیے کہ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیں:

"ضبط از دلِ من بُرد و فرو ریخت بجانم
آن نکتہ کہ با مومن و کافر نتواں گفت"[۴]

مخلص

محمدؐ اقبال از لاہور

---

[۱] خان نفیس الدین خاں نے مولانا گرامی کے بستی آنے کا دو دفعہ ذکر کیا ہے (دیکھیے: ہفت روزہ لاہور ۹ مارچ ۱۹۶۴ء)

[۲] گرامی کے نام اقبال کے ایک خط محررہ ۱۶ فروری ۱۹۱۹ء میں اس پورے شعر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ (مکاتیب بنام گرامی) ۔یہ شعر دیوان گرامی، ص ۱۳۱ پر بھی موجود ہے۔

با دِل شدگاں قصہ ز محشر نتواں گفت
با سوختگاں حرف ز کوثر نتواں گفت

ترجمہ: جو عاشق ہیں ان سے محشر کی بات نہیں کرنی چاہیے اسی طرح دل جلوں سے کوثر کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

[۳] قرآن مجید: سورۃ الزمر: ۲۶

[۴] باقیات اقبال، ص ۴۹۹–ترجمہ: وہ نکتہ جو مومن و کافر سے نہیں کہا جا سکتا، اُس نے میرے دل سے ضبط چھین کر میری جان میں ڈال دیا ہے۔

(۲۲)

لاہور، ۱۱ر فروری ۱۹ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ مل گیا ہے۔ گرامی صاحب، اُمید ہے، بخیریت ہوں گے۔ آپ کے دوسرے مصرعے میں ایک بہت بڑے شاعر سے توارد ہو گیا۔ ان کا شعر ہے:

آں چیز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت[۱]

مگر مصرع جو قابل مصرع لگانے کے ہے، یہ ہے:

ایں سرِّ خلیل است بآزر نتواں گفت[۲]

---

[۱] غالبؔ کا شعر ہے، ترجمہ: سینے میں پوشیدہ راز، وعظ نہیں ہے۔ یہ منبر پر نہیں کہا جا سکتا البتہ تختہ دار پر کہا جا سکتا ہے۔

[۲] اقبال کا مصرع ہے، ترجمہ: یہ راز ابراہیم خلیل کا ہے، اسے آزر (بت پرست) سے نہیں کہا جا سکتا۔
گرامی نے اسی مصرعے کی اپنی غزل میں تضمین کے لیے اجازت چاہی تو اقبال نے لکھا: ''مصرع ایں سرِ خلیل است ... الخ'' حاضر ہے۔ تصرف بے جا کی کون سی بات ہے۔ آپ کا مال ہے۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۵۶-۱۵۵)
گرامی کا شعر اس طرح ہے۔

آں رمزِ جلیل است، ابو جہل چہ فہمد
آں سرِ خلیل است بآزر نتواں گفت

(دیوان گرامی، ص۳۱)
(ترجمہ: یہ بہت بڑا راز ہے اور ابو جہل کی فہم سے بالاتر ہے۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل کا راز ہے، اسے آزر نہیں سمجھ سکتا۔)
اسی غزل میں گرامی نے اقبال کی تحسین کی ان کا یہ شعر بہت مقبول ہوا۔

در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

گرامی صاحب کی خدمت میں پیش کیجیے۔ یہ مصرع کارڈ ہٰذا لکھتے ہوئے خیال میں آیا، مگر دوسرے مصرعے کے لیے فکر کرنے کی فرصت نہیں۔ فرصت کے اوقات میں ان شاء اللہ فکر کروں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

گرامی صاحب کی خدمت میں سلام۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۲۳)

لاہور، ۱۴ر فروری ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا تھا۔ اُمید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گزرا ہوگا۔

مولانا گرامی کے اشعار جواہر ریزے ہیں۔ سبحان اللہ! ان کی خدمت میں عرض کیجیے برائے خدا غزل پوری کریں۔[1] آپ کے اشعار سے مجھے تعجب ہوا۔ معلوم نہ تھا کہ آپ چھپے رستم ہیں۔ کیوں نہ ہو، آخر مولانا گرامی کے ہم وطن ہیں۔[2]

(دیوان گرامی، ص۳۱)

(ترجمہ: حقائق دیکھنے والوں کی نظر میں علامہ اقبال کی حیثیت ایسی ہے کہ انھیں پیغمبر تو نہیں کہا جا سکتا لیکن انھوں نے پیغمبرانہ کام کیا ہے۔)

[1] انھی اشعار کے بارے میں اقبال گرامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''چند اشعار خان نیاز الدین خاں صاحب کے خط میں تھے۔ غزل پوری کر کے ارسال فرمائیے، پھر ایک ہی دفعہ داد دوں گا''۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص۱۵۶)

[2] اقبال نے نیازؔ کو کئی دفعہ کھل کر داد دی۔ گرامی جالندھر کے قریبی قصبے ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔

وافر اور ظاہر قوافی اس غزل میں درست نہیں۔ آپ نے شاید کافر بکسرِ فا کا خیال کیا ہو گا، مگر غزل میں کافر بفتح فا ہے اور یہ لفظ بفتح فا بھی اساتذہ نے لکھا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ کیا اچھا ہو مولانا گرامی ہفتے دو ہفتے کے لیے لاہور آ جائیں اور یہاں سے اکٹھے دہلی چلیں۔ کل حکیم محمدؐ اجمل خاں[1] صاحب بھی آنے والے ہیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب کے ہاں ان کا قیام ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۲۴)

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ دہلی گیا تھا، مگر جو دن جالندھر کے لیے رکھا تھا، وہ وہیں دہلی نے لے لیا۔[2] حکیم صاحب[3] نے باصرار ٹھہرا لیا۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں نہ ٹھہر سکا کہ ۷ مارچ کو کچہری میں کام تھا۔

---

[1] مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان (۱۸۶۵ء - ۱۹۲۷ء) برعظیم کے نامور طبیب اور سیاسی رہنما تھے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بانیوں میں سے تھے۔ اقبال سے قلبی تعلق تھا اور ان کے معالج بھی تھے۔

[2] اقبال علیل تھے اور علاج کے لیے ۲۸ فروری ۱۹۱۹ء کو دہلی گئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ واپسی پر جالندھر میں کچھ قیام کریں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ (دیکھیے: اقبال بنام شاد، ص ۲۴۸)

[3] حکیم صاحب سے مراد دہلی کے معروف حکیم نابینا عبدالوہاب انصاری (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۱ء) ہیں۔ وہ معروف سیاسی رہنما مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔ میر محبوب علی خان والیِ حیدر آباد دکن کے ہاں شاہی طبیب رہے اور بعد میں دہلی میں اپنا مطب قائم کر لیا۔ ۱۹۱۷ء میں دردِ گردہ کے علاج کے لیے پہلی دفعہ اقبال ان سے ملے اور پھر وقتاً فوقتاً ان سے علاج کراتے رہے۔ طبی معاملات میں اقبال ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ (مزید دیکھیے: رجالِ اقبال، ص ۳۶۱- ۳۶۲)

ان شاء اللہ آپ سے جلد ملاقات ہو گی۔ گرامی کی صحبت، نیاز کو نظامی[1] بناڈالے گی ان شاء اللہ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ گرامی صاحب کی تپ کوئی نئی بات نہیں، شاعروں کو قدرتی تپ ہوتی ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۳/مارچ ۱۹ء

(۲۵)

۲۱/مارچ ۱۹ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ الحمدللہ کہ مولانا گرامی اور آپ مع الخیر ہیں۔

دونوں شعروں کا مضمون لاجواب[2] ہے مگر بندش کھٹکتی ہے۔ پہلے شعر میں ”ناقہ نشیں“ کھٹکتا ہے اور ”ایں جا“ حشو معلوم ہوتا ہے۔ اگر پہلا مصرع یوں ہوتا: ”قیس می گفت کہ از جام بلوریں رستم“ تو غالباً ”ایں جا“ کی حشویت کسی قدر کم ہو جاتی، گو مطلق دور نہ ہوتی۔

---

[1] حکیم ابو محمد الیاس نظامی گنجوی (م: ۱۲۱۳ء) فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی پانچ مثنویاں پنج گنج (سکندر نامہ وغیرہ) فارسی ادب کا بے مثال سرمایہ ہیں۔ (اقبال اور فارسی شعرا، ص۷۷)

[2] خان نفیس الدین خاں نے ایک ملاقات (جون ۱۹۹۲ء) میں راقم کو بتایا کہ اقبال نے یہ انتقاد حسب ذیل شعروں پر کیا تھا:

قیس از فکرِ مے و جام بلوریں مست است
چشمِ آں ناقہ نشیں بادہ و جام است ایں جا
حرفے شوخے کہ بہ دلبر سرِ افلاک بگفت
بردرِ میکدہ مشہورِ عوام است ایں جا

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں بھی "ایں جا" حشو معلوم ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ "بردرِ مے کدہ" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ ان پر نظرِ ثانی فرمایئے۔ میں نے جام اور خرام بھی لکھے تھے:

نشہ از حال بگیریم و گذشتیم زقال
نکتۂ فلسفہ دُردِ تہ جام است ایں جا
اے کہ تو پاسِ غلط کردۂ خود می داری
آنچہ پیشِ تو سکون است خرام است ایں جا[1]

اور "لبِ بام" اس طرح لکھا تھا:

ما دریں رہ نفسِ دہر بر انداختہ ایم
آفتابِ سحر او لبِ بام است ایں جا[2]

جب دو آدمیوں کا دوڑنے میں مقابلہ ہو اور ایک تھک کر رہ جائے اور اُس کا دم پھول جائے تو فارسی میں کہتے ہیں: نفسِ او بر انداختہ است، جیسے پنجابی میں کہتے ہیں: "دموں کڈھ دینا"۔ مقصود یہ ہے کہ ہم اس قدر تیز رفتار ہیں کہ روزگار کو بھی ہم نے نفسِ بر انداختہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ اس کی صبح کا آفتاب ہمارے ہاں لبِ بام ہے۔ اس نظم کا عنوان تھا: "دنیاے عمل"[3] اور اسی مطلب کے یہ سب اشعار تھے۔

---

[1] یہ اشعار پیامِ مشرق (ص ۱۲۴) کی نظم "جہانِ عمل" کے ہیں۔ ترجمہ حسب ذیل ہے:
ہم حال سے مدہوش ہو کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں فلسفے کے نکتے بے کار ہیں۔
اے شخص تو اپنی غلطی کا لحاظ کیے ہوئے ہے۔ جسے تو ساکن سمجھتا ہے، وہ یہاں حرکت ہے۔
ہم نے اس راستے میں زمانے کو تھکا دیا ہے۔ اس کی صبح کے آفتاب کی حیثیت مہمان کی سی ہے۔

[2] پیامِ مشرق میں اشعار کی ترتیب اس طرح ہے کہ آخری شعر درمیان میں اور دوسرا آخر میں ہے۔

[3] پیامِ مشرق میں نظم کا عنوان "جہانِ عمل" ہے ممکن ہے، ابتدا میں عنوان "دنیاے عمل" ہو۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ جالندھر کے افاغنہ[۱] میں ذوقِ سخن باقی ہے[۲] اور یہ قوم ابھی اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھتی ہے۔[۳] افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا، ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اُردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔[۴]

مولانا گرامی کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اگر لاہور تشریف لانے کا قصد ہو تو ابھی آنا چاہیے، ورنہ پھر گرمی بڑھ جائے گی اور لطفِ صحبت خاک نہ رہے گا۔ کل نواب ذوالفقار علی خاں صاحب بھی دہلی سے آنے والے ہیں، وہ مولانا گرامی سے ملنے کے بڑے آرزو مند ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ شیخ صاحب کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔

---

۱ جالندھر میں سب سے پہلے لودھی پٹھان آباد ہوئے اس کے بعد پشاور کے بڑیچے (دراصل یہ بھی لودھیوں کی ایک شاخ ہے) آکر آباد ہو گئے۔ اس کے بعد خان نیاز الدین خاں کے خاندان کے لوگ جالندھر کے اطراف میں آکر بستیاں بسا کر رہنے لگے۔ یہ لوگ جنوبی وزیرستان کے قصبے کانی گرم سے آئے تھے۔ یہ ترکی النسل قبیلہ ہے اور پٹھان نہیں لیکن پٹھان مشہور ہیں اس لیے وہ خود کو پٹھان ہی لکھتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بستی دانش منداں، ص۱۸-۷)

۲ اس دور میں مسلمانوں کے ہاں علم دوستی کی روایت مستحکم تھی خصوصاً جالندھر کے ان پٹھان گھرانوں میں چھوٹے بڑے کتب خانوں کا رواج تھا اور شعر و سخن کا ذوق و شوق بھی عام تھا۔ (بستی دانش منداں، ص۳۶)

۳ پٹھان اپنی روایات سے محبت کرتے ہیں۔ تہذیبی ورثہ نسل در نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ اب بھی ان میں حریت پسندی، اتحاد، دینی حمیت، ملی غیرت اور معاشرتی مساوات جیسی خوبیاں موجود ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اقبال افغانستان کو ایشیا کا دل کہتے ہیں۔ آج بھی افغانوں کی جرأت مندی سے اقبال کی بصیرت کی تائید ہوتی ہے۔ مزید دیکھیے: اقبال اور افغان: میر عبدالصمد خان، ص۶۷-۱۷)

۴ اقبال، پشتو شاعری کے جوشیلے اور حیات بخش اسلوب سے متاثر تھے انھوں نے افغانوں کی حریت پسندی اور جرأت مندی کی تعریف کی اور پشتو زبان جاننے کی خواہش کی۔ (مزید دیکھیے: ”اقبال کی موعودہ کتب“ از رفیع الدین ہاشمی مشمولہ: نقوش اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء، ص۱۶۳، نیز ”اقبال اور افغان“ از عبدالصمد خان مشمولہ: اقبال، افغان اور افغانستان مرتبہ: اکرام چغتائی، ص-۵۰۳ ۵۲۸)

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۲۶)

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں اور دست بدعا ہوں کہ آپ مع جملہ اقربا و احباب کے تندرست ہوں۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہو گا کہ لاہور میں مارشل لا کا اجرا کر دیا گیا ہے۔[1] حکام اس بات پر مجبور ہوئے ہیں مگر امن پسند لوگوں کے لیے اس میں کوئی اندیشہ نہیں۔ اُمید کہ مولانا گرامی مع الخیر ہوں گے۔ اُن کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۰-اپریل ۱۹ء

(۲۷)

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

مجھے تو یقین ہے اور اس کا اظہار بھی کسی پہلے خط میں کر چکا ہوں کہ مولانا گرامی آپ کو شاعر بنا چھوڑیں گے۔[2] یہ غزل اُنھیں ضرور دکھایئے:

---

[1] پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ہندستان میں بے چینی کی لہر اٹھی جسے دبانے کے لیے ۱۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ کی شکل میں سخت ترین قانون منظور ہوا۔ اس کے خلاف شدید ردِ عمل ہوا۔ جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا، مزید پُر تشدد مظاہرے ہوئے چنانچہ ۱۵/اپریل ۱۹۱۹ء کو لاہور، امرت سر اور پنجاب کے کئی دیگر شہروں میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ (مارشل لا سے مارشل لا تک: سید نور احمد، ص۳۵-۱۲)

[2] تحسین کی تائید کے لیے دیکھیے: مکاتیب بنام گرامی، خط۲۳، ۲۴، ص۱۵۷

شیخ در عہدِ جوانی بہ گل و مُل می زیست
وعظ فرما شدہ آں روز کہ از کار شدہ[1]

خوب شعر ہے۔ تھوڑی مشق کے بعد معمولی نقص جو اَب پائے جاتے ہیں، دور ہو جائیں گے۔ کیا مولوی گرامی لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوتا ہے، خوفزدہ ہو گئے مگر خوف کی کوئی بات نہیں۔[2] کل ایک شعر لکھا تھا، مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے:

"برق را ایں بہ جگر می زند، آں رام کند
عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگر دار تر است"[3]

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

لاہور، ۱۹/ مئی ۱۹ء

(۲۸)

لاہور، ۳۰/ اگست ۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

کئی روز ہوئے، آپ کا والا نامہ ملا تھا، مگر میں اُن دنوں پیچش میں مبتلا تھا۔[4] جواب نہ لکھ سکا۔ آج میز پر تلاش کرتا ہوں تو وہ خط ندارد ہے۔ تعجب ہے کہ آپ غزل تو گرامی صاحب

---

[1] نیاز الدین خاں کے اس شعر کا ترجمہ: حضرت شیخ نے جوانی تو رنگینیوں میں گذار دی۔ اب جب کہ از کار رفتہ ہو گئے ہیں تو وعظ فرمانے لگے ہیں۔

[2] ان دنوں لاہور میں مارشل لا نافذ تھا۔

[3] یہ شعر پیامِ مشرق کی نظم "پیام" کا ہے۔ ترجمہ: عشق برق کو جگر پر لیتا ہے اور عقل اسے رام کرتی ہے اس لحاظ سے عشق، عقل سے زیادہ حوصلہ مند ہے۔

[4] علامہ اقبال نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کے نام ۱۱/ اگست اور ۱۶/ اگست ۱۹۱۹ء کے خطوط میں بھی اس بیماری کا ذکر کیا ہے۔ (مظلوم اقبال، ص ۲۷۰، ۲۷۳)

کی صحبت میں لکھیں اور اصلاح کے لیے مجھ سے ارشاد ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصفہان میں رہنا اور سرمہ ہندوستان سے خرید کرنا۔ آپ نیاز ہیں مگر گرامی صاحب کی صحبت ہے تو تمام جہان کے شعر اسے بے نیاز:[1]

بے نیازانہ ز اربابِ کرم می گزرم
چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گزرد[2]

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ سیالکوٹ جانے کی دو دفعہ کوشش کی، مگر ریزرو گاڑی نہ مل سکی۔ ایک دفعہ ریلوے سٹیشن سے واپس آنا پڑا کہ حکام نے ریزرو گاڑی دینے کا غیر مشروط وعدہ نہ کیا تھا، اتفاق سے اسی شب ملٹری افسر آ گئے۔[3] مجھے بمع اہل و عیال رات کے ساڑھے بارہ بجے واپس آنا پڑا۔ اس تکلیف کے بعد اب کہیں جانے کی ہمت نہیں رہی۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ ان سے کہیے کہ علم کی ہجو میں کوئی شعر فرمایئے، مگر صوفیانہ رنگ میں نہ ہو۔ یعنی العلم حجاب الاکبر کا رنگ[4] نہ ہو۔

مخلص
محمدؐ اقبال، لاہور

---

[1] دیکھیے: خط ۲۷، حاشیہ ا

[2] ترجمہ: میں اربابِ کرم کے پاس سے اسی طرح بے نیازی سے گزر جاتا ہوں جیسے کوئی سیاہ چشم حسین سرمہ فروشوں کے قریب سے بے اعتنائی سے گزرتا ہے۔

[3] مارشل لا کے اجرا سے ہر طرف فوجیوں کا عمل دخل بڑھ گیا تھا۔ اقبال نے ریل گاڑی کی نشستیں مختص کرائی تھیں لیکن ان کے لیے مختص نشستیں فوجیوں کو مل گئیں اور اقبال کو رات گئے واپس گھر آ گئے۔ اس سے انھیں شدید ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کا ذکر انھوں نے شیخ اعجاز کے نام ایک خط میں بھی کیا ہے۔ (مظلوم اقبال، ص ۲۶۸)

[4] علم کی ماہیت اور ذرائع کے بارے میں صوفیہ کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ ان کے خیال میں عقلی علوم حقیقتِ مطلقہ تک رسائی میں معاون نہیں، اس لیے وہ عقلی علوم کی مذمت کرتے ہیں۔ اسی پہلو سے یہاں علم کو حجاب اکبر کہا گیا ہے۔

(۲۹)

لاہور، ۴؍ستمبر ۱۹ء

مخدومی خان صاحب! السلام علیکم

سیالکوٹ نہ جاسکنے کی وجہ عرض کر چکا ہوں[۱]، اب پھر ارادہ کیا ہے، لیکن اُمید ہے کہ ارادے کی تکمیل ہو جائے [گی]، اس واسطے کہ اکیلا جاؤں گا۔ اہل و عیال ہمراہ نہ ہوں گے۔[۲] میرے برادر بزرگوار پشاور سے دس روز کی رخصت پر آئے ہیں، اُن سے ملنا ہے۔ ایک ہفتہ یا شاید اس سے بھی [زیادہ] وہاں قیام رہے گا، واپس آکر فیصلہ کروں گا کہ جالندھر بھی حاضری ہوسکے گی یا نہیں۔ مولانا گرامی کی خدمت میں عرض کیجیے گا کہ پنشن بند کروانے کا اچھا نسخہ ان لوگوں کو سوجھا۔[۳] ان شاء اللہ اب لاہور بلانے کے لیے بھی یہی نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ اُن کو معلوم ہو گا، سید علی امام[۴] وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اگر وہ لاہور نہ آئے تو

---

[۱] دیکھیے: خط ۲۸ حاشیہ ۴

[۲] لیکن بعد ازاں اقبال نے اہل و عیال کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا چنانچہ اقبال دونوں بیگمات کے ہمراہ سیالکوٹ گئے۔ ایک ہفتے کے بعد خود واپس آ گئے اور بیگمات وہیں رُک گئیں (مظلوم اقبال، ص ۲۷۸- ۲۷۹)

[۳] گرامی، دولتِ آصفیہ دکن کے درباری شاعر تھے اور وظیفہ پاتے تھے۔ ان کے لیے یہ پابندی نہ تھی کہ ہمہ وقت حیدر آباد میں قیام کریں۔ چنانچہ ہوشیار پور آ جاتے اور قیام طویل کر دیتے۔ دکن کے دوست واپسی کا تقاضا کرتے، جب نہ آتے تو وظیفہ بند کرا دیتے اور مجبوراً انھیں واپس آنا پڑتا۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص ۱۶۹)

[۴] سید علی امام (۱۸۶۹ء - ۱۹۳۱ء) کا تعلق آرہ (بہار) کے ایک علمی و ادبی خاندان سے تھا۔ ریاست حیدر آباد دکن کے مدارالمہام اور وزیر اعظم رہے۔ وہ پہلے مسلمان تھے جو وائسرائے ہند کی مجلس انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے۔ اسی طرح وہ پہلے ہندستانی تھے جنھوں نے لیگ آف نیشنز میں ہندستان کی نمایندگی کی۔ اقبال ان کے اخلاق اور خوبیوں کے مداح تھے اسرار خودی ان کے نام معنون کی اور انتساب کے ۱۹ اشعار میں انھیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا مگر دوسرے ایڈیشن میں وہ اشعار نکال دیے۔ (تصانیف: ص ۸۵)

میں اُنھیں ضرور لکھوں گا کہ گرامی کی پنشن بند کی جائے اور اس کی عرضیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے۔

آپ کی غزلوں میں مجھے دوسری غزل (خفت است) کا مطلع پسند ہے۔[1] باقی اشعار پھر لکھیے۔

کبوتروں کے دو جوڑے جو آپ نے بکمال عنایت عطا فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک جوڑا بچے نہیں دیتا، انڈے توڑ دیتا ہے اور دوسرے کبوتروں کے نیچے بھی اس کے انڈے رکھے جائیں تو بچے نہیں نکلتے۔ دوسرے جوڑے نے بچے دیے، مگر ان میں سے دو جو بہت اچھا اُڑتے تھے، شکاری جانوروں کا شکار ہو گئے، ایک باقی ہے۔ جوڑے میں نر ضعیف اور کمزور ہے۔ اُمید نہیں کہ دیر تک زندہ رہے، بہتر یہ ہے کہ چند بچوں کے جوڑے بھجوایئے۔ اگر ممکن ہو تو۔ میں نے لدھیانے بھی لکھا ہے اور شاہ جہان پور سے بھی ان شاء اللہ کبوتر آئیں گے۔

آپ کے صاحبزادے نے ذکر کیا تھا کہ فیروز پور میں کوئی شخص ہے جو کبوتروں کو مستقل رنگ دے سکتا ہے،[2] جو رنگ ان کے بچوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ مہربانی کر کے صاحبزادے[3] سے دریافت کیجیے کہ اُس آدمی کا پتا کیا ہے۔ کل کرنل سٹیفنسن صاحب [سے] کبوتروں کے رنگوں کے متعلق بہت گفتگو ہوئی۔ انھوں نے چند کتابوں کے نام لکھنے کا وعدہ

---

[1] نیاز کی اس غزل کی طرف اشارہ ہے جس کا ایک شعر ہے: ؎

تمام عمر دعاے وصالِ او کردم
قبول شد نہ دعایم مگر خدا خفت است

(ترجمہ: میں عمر بھر اس کے وصال کے لیے دعا مانگتا رہا۔ دعا قبول نہ ہوئی لگتا ہے کہ خدا سویا ہوا ہے۔)

[2] جینیاتی حیاتیات کی رو سے اب تک جینز (وراثتی خصوصیات کو اگلی نسل میں پہنچانے والے مادے) کو مرضی کے مطابق نئی نسل میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہوا۔ اس لیے یہ بات درست نہیں۔ البتہ ان باتوں سے اس دلچسپی کا پتا چلتا ہے جو اقبال کو کبوتروں سے تھی (مزید دیکھیے: زندہ رود، ص ۲۱۰)

[3] نیاز کے بڑے بیٹے نو بہار الدین خاں مراد ہیں۔ وہی کبوتر پالتے تھے اور اقبال سے ملتے رہتے تھے۔

کیا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔

مخلص
محمدؐ اقبال

(۳۰)

مخدومی! السلام علیکم

کارڈ ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ شیخ صاحب سے میں نے آپ کے خط کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ دسمبر کی تعطیلوں سے مراد تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح نومبر میں یا اگر ممکن نہ ہوا تو دسمبر [میں] آپ کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوں گے۔[1] باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں آداب عرض ہوں۔ وہ کب حیدر آباد جانے کا قصد رکھتے ہیں؟ حیدر آباد سے ایک بزرگ نے اپنا دیوان مجھے ارسال کیا ہے۔ اُن کا نام نواب عزیز جنگ[2] (شمس العلماء خان بہادر) ہے۔ گرامی صاحب انھیں جانتے ہوں گے۔ والسلام

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمدؐ اقبال، لاہور

۱۴/ اکتوبر ۱۹ء

---

[1] غالباً شیخ عمر بخش اور اقبال نے تعطیلات میں نیاز کے ہاں بستی دانش منداں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

[2] نواب عزیز یار جنگ (۱۸۸۲ء - ۱۹۲۵ء) کا تعلق حیدر آباد دکن کے ایک تاجر پیشہ اور علم دوست گھرانے سے تھا۔ شاعری کا فطری ذوق رکھتے تھے۔ ان کے والد نواب مشرف جنگ فیاضؔ بھی ایک عمدہ شاعر تھے۔ کلیاتِ نظم ولا ان کا شعری مجموعہ ہے، غالباً یہی انھوں نے اقبال کو ارسال کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ انھوں نے متعدد نثری تصانیف بھی یاد گار چھوڑی ہیں، مثلاً آصف اللغات وغیرہ۔

(۳۱)

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے[1]

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے، مگر اس انداز سے کہ موحد کی روح فدا ہو جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک معنی میں انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کمالِ شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے:

"تمہید نیم خندِ تو مرگِ ولایتے"[2]

---

[1] کلیاتِ گرامی، ص ۱۲۰ غزل ۱۲۔ ترجمہ: ہمارے گناہ اور ہمارے رب کی رحمت، گناہوں کی حد ہے اور نہ رب کی رحمتوں کی۔
اقبال نے گرامی کے اس شعر کی غیر معمولی تحسین کی تو گرامی نے اس پر نیاز کو ایک خط میں لکھا: "ڈاکٹر صاحب کی بالغ نظری اور عالی دماغی کی دلیل ہے کہ انھوں نے گرامی کے شعر کو پسند کیا ہے... گرامی کی طرف سے ان کی خدمت میں شکریہ ادا کیجیے"۔ (مکاتیب گرامی بنام نیاز، مشمولہ مکاتیب بنام نیاز، ۱۹۸۶ء، ص ۲۹)

[2] یہ گرامی کے حسب ذیل شعر کا مصرع ثانی ہے:

عنوان یک نگاہ تو آشوبِ عالمے
تمہیدِ نیم خندِ تو مرگِ ولایتے

ترجمہ: آپ کی ایک نگاہ سے دنیا تہ و بالا ہو سکتی ہے اور آپ کی نیم مسکراہٹ ایک سلطنت کے خاتمے کے لیے کافی ہے۔ (مکاتیب گرامی بنام نیاز مشمولہ: مکاتیب بنام نیاز ص ۷۹)

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے، البتہ پہلے مصرعے میں جو لفظ "آں" آیا ہے، اس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہیے۔(عنوان آں نگاہ) یہ مشورہ مولانا کی خدمت میں پیش کیجیے۔[۱]

زیادہ کیا عرض کروں۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں، شعرِ مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوزو گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے، بلکہ اپنی ولایت میں بھی اُنھیں شک نہ رہتا۔ اُمید کہ اُن کا روپیا حیدر آباد سے آگیا ہو گا۔ لیکن اگر پریشانی اُن سے ایسے اشعار لکھواتی رہے تو اہلِ ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرض داشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیے کہ اُن کا منصب بند کر دیا جائے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۴/ اکتوبر ۱۹ء

(۳۲)

لاہور، ۱۹/ اکتوبر ۱۹ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، الحمد للہ خیریت ہے۔ گرامی صاحب کے شعر میں "یک" نہایت ہی موزوں ہے۔ "یک نگاہ" اور "نیم خند" کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔[۲] یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب الہام اپنی بلاغت سے بھی آگاہ ہو۔ اگر گرامی کے خیال میں وہ معانی نہ تھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اُن کے الفاظ میں تو موجود ہیں۔

---

[۱] پہلے مصرع اس طرح تھا:

عنوانِ آں نگاہے تو مرگِ ولایتے

گرامی نے اقبال کے مشورے کے بعد مصرعے میں تبدیلی کی۔

[۲] اقبال کی اس رائے کے بعد گرامی نے مصرع اولیٰ میں ترمیم کر دی جسے اقبال نے پسند کیا۔

مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ آپ میرے خطوط محفوظ رکھتے ہیں۔[۱] خواجہ حسن نظامی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، جب اُنھوں نے میرے بعض خطوط ایک کتاب میں شائع کر دیے تو مجھے پریشانی ہوئی۔ کیونکہ خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور اُن کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں مگر اشاعت اُن کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہوں، اُمید ہے، آپ میرے خطوط کو اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں، اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔[۲]

مخلص

محمد اقبال، لاہور

---

[۱] خطوط کی نجی حیثیت کے پیش نظر اقبال خطوط کے محفوظ کرنے اور مابعد اشاعت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ وہ خطوط کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے اور ان کی قومی اہمیت کو بھی نہ صرف تسلیم کیا بلکہ خود خطوط محفوظ بھی کیے۔ اکبر الٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ”آپ کے خطوط، جو سب میرے پاس محفوظ ہیں بار بار پڑھا کرتا ہوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں“۔(اقبال نامہ، دوم ۳۸) ایک اور خط میں انھیں لکھا: ”آپ کے خطوط سے مجھے بہت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے، اسی واسطے میں ان خطوط کو محفوظ رکھتا ہوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت سے لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے“ (اقبال نامہ، دوم ص ۴۴)
اقبال نے اکبر الٰہ آبادی کے خطوط نہ صرف محفوظ رکھے، بلکہ عبد اللہ چغتائی کی روایت کے مطابق اشاعت کے لیے مسودہ تیار کر کے دارالاشاعت پنجاب کے حوالے کیا مگر نہ تو خطوط شائع ہوئے اور نہ مسودے کا سراغ مل سکا۔(اقبال کی صحبت میں، ص ۲۲۹)

[۲] خواجہ حسن نظامی نے یہ خطوط اتالیقِ خطوط نویسی میں شامل کر کے شائع کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے موجد اول سر محمد اقبال کے خطوط حسن نظامی دہلوی کے نام سے شائع کیے (دیکھیے: ”اقبال اور حسن نظامی“ از محمد عبد اللہ قریشی مشمولہ: اقبال ریویو، لاہور جنوری ۱۹۷۰، ص ۲۳-۱)

(۴۳)

لاہور، ۹؍نومبر ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

مسئلہ خلافت[1] ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ اس خیال سے کہ اس مسئلے کے متعلق مسلمانوں کو امر بالمعروف کرنا میرا فرض ہے جلسے میں چلا گیا۔[2] سیکرٹری شپ حمایتِ اسلام کے لیے میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔[3] مسلمان پبلک میرے سپرد یہ کام کرنا چاہتی ہے اور میں نے بعض معززین سے وعدہ کیا ہے کہ اگر عبد العزیز صاحب[4] مستعفی ہو جائیں تو میں یہ کام اپنے ذمے لے لوں گا۔ اس سے زیادہ میری اور کوئی کوشش نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کو خوب

---

[1] جنگ عظیم اوّل کے خاتمے پر اتحادی طاقتوں نے ترکی کے حصے بخرے کرنا شروع کیے اور خلافت کے خاتمے کی تدبیریں کرنے لگے تو برعظیم ہند کے مسلمانوں نے شدید ردّ عمل کا اظہار کیا۔ تحریک خلافت شروع ہوئی تاکہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ منصبِ خلافت محفوظ رکھا جائے اور یورپ کی دیگر فاتح قومیں ترکی سے منصفانہ رویہ اختیار کریں مگر بعد میں "ترکِ ناداں" نے خود ہی خلافت کی قبا چاک کر دی۔ اقبال مسئلہ خلافت کو خالصتاً مسلمانوں کا مسئلہ سمجھتے تھے اور تحریکِ خلافت میں ہندو رہنماؤں کی شرکت کو ناپسند کرتے تھے۔

[2] یہ جلسہ عام ۳۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو بیرون موچی گیٹ منعقد ہوا تھا۔ (پیسہ اخبار: ۴ دسمبر ۱۹۱۹ء)

[3] اقبال، انجمن حمایت اسلام سے طویل عرصے تک وابستہ رہے۔ انجمن کے صدر اور سیکرٹری بھی رہے مگر خود کبھی بھی کسی عہدے کے لیے کوشاں نہ ہوئے۔ میاں عبد العزیز کے مستعفی ہونے کے بعد ۳۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو انھیں انجمن کا آنریری سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ (اقبال اور انجمن حمایت اسلام: ص ۵۲-۵۶)

[4] میاں عبد العزیز (م: ۱۹۷۱ء) کا تعلق لاہور کی میاں فیملی سے تھا۔ وہ ایک معروف اور کامیاب وکیل تھے۔ لاہور میونسپل کمیٹی کے صدر اور بعد میں لاہور کارپوریشن کے پہلے میئر منتخب ہوئے۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔ ان کا گھر برعظیم میں اٹھنے والی متعدد تحریکوں کا مرکز رہا۔ اقبال کے قریبی دوست تھے۔ ان کے نام اقبال کے بیس خطوط بھی ان کے نوادر میں شامل ہیں۔ (نوادر ذخیرہ میاں عبدالعزیز: ص ۷)

معلوم ہے کہ مقصود جاہ طلبی اور نام و نمود نہیں۔ اگر عبد العزیز صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا تو میں، جہاں تک میرے بس میں ہو گا، کام کروں گا۔

آپ کے دوست کے اشعار نہایت خوب ہیں، خاص کر یہ مصرع:

"اپنی ہستی کے ہم سوالی ہیں"

"ہو اثر کیا، حروف خالی ہیں" بھی پتے کی بات ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں، خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔

۲۳ دسمبر کو دہلی جاؤں گا،[1] وہاں سے ۲۵ یا ۲۶ کو واپس ہوتا ہوا ایک آدھ روز کے لیے آپ کی خدمت میں بھی ٹھہر جاؤں گا، بشرطیکہ صحت اچھی رہی۔ سردی کا سفر بہ سببِ ضعفِ گردہ کے میرے لیے مضر ہوتا ہے۔ مولانا اکبر الہ آبادی دہلی میں ہیں اور آخر دسمبر تک قیام کریں گے۔ اُن کی زیارت ضرور [کذا] ہے۔ اس کے لیے[2] [کذا] فقیر سید نجم الدین[3] صاحب کے لڑکے کی شادی ہے، وہ اصرار کر رہے ہیں۔ اگر مولانا اکبر کی کشش نہ ہوتی تو فقیر صاحب سے معافی مانگ لیتا۔ والسلام

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مخلص

محمدؐ اقبال

---

[1] اقبال بوجہ بارش اور سردی دہلی نہ جا سکے۔

[2] سابقہ اشاعتوں میں "اس کے علاوہ" ہے مفہوم، اسی طرح صحیح بنتا ہے۔ مگر اقبال کے دست نوشت میں واضح طور پر "اس کے لیے" ہے۔ عجلت میں ایسا لکھ گئے۔

[3] بازارِ حکیماں کے مشاعروں میں اقبال کے تعلقات فقیر سید افتخار الدین (۱۸۶۵ء - ۱۹۱۴ء) سے استوار ہوئے۔ پھر اسی واسطے سے خاندان کے دوسرے افراد سے تعلق پیدا ہوا۔ فقیر نجم الدین (م: ۱۹۳۷ء) سے بھی راہ و رسم اسی زمانے میں پیدا ہوئی، وہ فقیر سید افتخار الدین کے داماد تھے۔ وہ مولانا گرامی کے دوست بھی تھے۔ روز گار فقیر کے مؤلف فقیر سید وحید الدین (۱۹۰۵ء - ۱۹۷۵ء)، فقیر سید نجم الدین کے بیٹے تھے۔

(۳۴)

۱۵/ دسمبر ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

کیا دسمبر کی تعطیلوں کے تمام دن آپ جالندھر ہی تشریف رکھیں گے یا کسی اور جگہ جانے کا بھی قصد ہے؟ مطلع فرمایئے۔

گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۳۵)

۱۹/ دسمبر ۱۹ء

مخدومی السلام علیکم

تقریر جو اس جلسے میں میں نے کی تھی،[1] وہ ایک ریزولیوشن کی تائید یا شاید تحریک میں تھی،[2] مسئلہ خلافت پر نہ تھی۔ مذہبی پہلو اس [کا] حرمین کی حفاظت سے تعلق رکھتا ہے۔[3]

---

[1] جشنِ صلح کے بائیکاٹ کے سلسلے میں مسلمانان لاہور کا یہ جلسہ ۳۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو بیرون موچی گیٹ منعقد ہوا تھا۔ (پیسہ اخبار: ۴ دسمبر ۱۹۱۹ء)

[2] اس قرار داد میں سلطنت عثمانیہ کے بارے میں پیرس صلح کانفرنس کے غلط رویے کی نشان دہی کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ اتحادی طاقتیں ترکی کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کریں۔ (قرار داد کا متن ملاحظہ ہو: انوارِ اقبال: ص ۴۴-۴۳)

[3] اقبال صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن اختلافات کی وجہ سے استعفا دے دیا اس لیے کہ وہ خلافت وفد انگلستان بھیجنے کو ایک سازش سمجھتے تھے اور دوسرے خلافت کا مسئلہ اقبال کے نزدیک خالصتاً مسلمانوں کا مسئلہ تھا۔ اس میں انھیں ہندوؤں کی شمولیت کھٹکتی تھی۔ (زندہ رود ص ۳۰۵ - ۳۰۷)۔ اقبال مسئلہ خلافت کو مذہبی معاملہ سمجھتے تھے۔ (دیکھیے : اقبال کا خط بنام نیاز نمبر ۳۳)

اخباروں (مثلاً آفتاب) میں اس کا کچھ حصہ رپورٹ ہوا تھا۔ میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں، ورنہ مرسلِ خدمت ہوتی۔

۲۳ کی شام کو یہاں سے چلوں گا مگر فقیر صاحب[۱] کے لڑکے کی برات بٹھنڈا لائن سے جائے گی، اس واسطے جالندھر سٹیشن پر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ واپسی پر ان شاء اللہ ایک روز آپ کی خدمت میں قیام رہے گا اور مولوی گرامی صاحب سے بھی ملاقات ہو گی۔ یہ ممکن ہے کہ ۲۵ دسمبر کی صبح کو جالندھر پہنچ جائیں یا شام کو، غرض کہ اس سفر میں ان شاء اللہ ایفائے وعدہ کی پوری کوشش ہو گی۔ مولانا اکبر تو غالباً ۲۳ سے پہلے ہی الٰہ آباد چلے جائیں گے، کیونکہ اُن کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ میں نے بھی اُن کی زحمت کے خیال سے زور نہیں دیا کہ وہ دہلی میں میری آمد تک قیام فرمائیں۔

۲۵، ۲۶، ۲۷ کو آپ جالندھر میں نہ ہوں تو اطلاعی کارڈ لکھ بھیجیں۔ آپ کو سٹیشن پر آنے کی ضرورت نہیں۔ میں سیدھا امیر الدین خاں کی کوٹھی پر پہنچوں گا۔ آپ اُن کو مطلع کر دیں کہ وہ ۲۵ یا ۲۶ کو کسی وقت میرا انتظار کریں۔[۲] مولوی گرامی صاحب سے بھی کہہ دیجیے گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۶)

مخدوم مکرم   السلام علیکم

فقیر صاحب کے لڑکے کی برات کے ہمراہ میں نہیں جا سکا۔ اس روز بارش اور سردی اس شدّت سے تھی کہ سفر کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ واپسی ٹرین کا رش یقینی۔ ان شاء اللہ پھر کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

---

[۱] علامہ اقبال، فقیر سید نجم الدین کے بیٹے فقیر سید وحید الدین کی شادی میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔

[۲] موسم کی خرابی کی وجہ سے اقبال کا عزمِ سفر روبہ عمل نہ آ سکا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

۲۵ر دسمبر ۱۹ء

(۳۷)

لاہور، ۱۱ر فروری ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

"مہندر امنڈل"[1] کی کسی کو خوب سوجھی لیکن تعجب ہے کہ وہ "اندر سبھا"[2] کو نظر انداز کر گئے۔

آپ کے خط سے یہ نہ معلوم ہوا کہ آیا Princes Assembly[3] سے مُراد وہ "اپر چیمبر" ہے جو انگلستان کے ہوس آف لارڈز کے طرز پر ہندوستان کے نئے قانونِ اساسی کا ایک جزو ہو گا یا کوئی اور مجلس؟ نوابوں اور راجوں کی ایک کانفرنس تو شاید پہلے سے بھی قائم ہے، غالباً آپ کی مراد اپر چیمبر سے ہے۔ انگلستان میں آپ کو معلوم ہے کہ دو ہوس ہیں۔ یعنی ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈز۔ ہندوستان کے دو ہوسوں کو مجلس عمومی اور مجلسِ خصوصی کہہ سکتے ہیں یا مجلسِ عوام اور مجلسِ خواص۔ بہتر تو یہ ہے کہ انگریزی نام رکھے

---

[1] ۱۰۸ ہندوستانی ریاستوں کے راجوں، مہاراجوں کی اس انجمن (Chamber of Princes) کا قیام یکم فروری ۱۹۲۱ء کو عمل میں آیا تھا۔ کسی نے اس کا ہندی نام "مہندر امنڈل" رکھ دیا۔

[2] مذکورہ انجمن کو اقبال نے طنزاً یہ نام دیا ہے۔

[3] اس کی حیثیت مشاورتی انجمن کی تھی۔ دیگر ۱۲۷ ریاستوں سے بھی ۱۲ ممبر انتخاب کے ذریعے لیے گئے تھے۔ اس انجمن کا اجلاس سال میں ایک دفعہ ہوتا تھا۔ اس کا صدر وائسرائے ہند تھا۔ چیمبر کا کام دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کی مراعات کو برقرار رکھنا اور ان معاہدوں کا تحفظ کرنا تھا جو ریاستوں اور برطانوی حکومت کے درمیان طے پائے۔ ۱۹۴۷ء میں یہ چیمبر توڑ دی گئی۔ (*The Princes of India*: سر ولیم بارٹن، ص ۲۶۸ - ۲۶۹)

جائیں، کیونکہ دو غلا نام ایسا مشکل سے نکل سکے گا جو سب کو پسند ہو۔ ایرانیوں نے پارلیمنٹ کا ترجمہ مجلس ہی کیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ گرامی صاحب کی خدمت میں سلام علیکم عرض کیجیے۔ سُنا ہے، وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفا[1] دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو اُن کو حالات سے آگاہ کروں۔ جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا، اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔[2]

محمدؐ اقبال

(۳۸)

مخدومی ! السلام علیکم

میں ایک طویل سفر کے بعد پرسوں لاہور آیا ہوں۔ ایک مقدمے کے ضمن میں آرہ (صوبہ بہار) گیا ہوا تھا۔[3] اب تو کچھ عرصے تک مزید سفر کی ہمت نہ ہو گی۔ چیمبر آف پرنسز

---

[1] ۳۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو لاہور میں جلسہ عام ہوا جس میں خلافت کمیٹی قائم کرنے کے بارے میں قرار داد منظور ہوئی۔ سر فضل حسین صدر اور علامہ اقبال سیکرٹری جنرل اور کچھ دیگر لوگ ممبران نامزد کیے گئے۔ (پیسہ اخبار، ۴ دسمبر ۱۹۱۹ء، ص ۱۲)۔ مگر اقبال نے ۳۱ جولائی ۱۹۲۲ء کو تین وجوہات کی بنا پر استعفا دے دیا: ۱- علامہ، تحریک خلافت میں ہندوؤں کی شمولیت کو خطرناک سمجھتے تھے۔ ۲۔ خلافت وفد انگلستان بھیجنے سے انھیں اتفاق نہ تھا۔ ۳- خلافت کمیٹی کے بعض ممبران کو وہ مفاد پرست سمجھتے تھے۔ (اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص ۶۰-۵۵)

[2] اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں: بات دراصل یہ تھی کہ حکومت برطانیہ اپنی اغراض کی خاطر خلافت وفد کو بلوانا چاہتی تھی اور اس مقصد کے لیے آغا خان کو استعمال کر رہی تھی۔ خلافت کانفرنس کی بنیاد بھی بقول سید سلیمان ندوی اس طرح پڑی تھی کہ آغا خان نے مشیر حسین قدوائی کو آمادہ کیا اور انھوں نے مولانا فرنگی محلی کو لکھ کر آمادہ کیا۔ (زندہ رود : ص ۲۴۸)

[3] صوبہ بہار میں آرہ ایک جاگیر تھی جس کا تنازع عدالت میں تھا۔ کچھ دستاویزات فارسی کے قدیم مخطوطات پر مشتمل تھیں، جن کو پڑھنا آسان نہ تھا اور اس سلسلے میں سرکاری وکیل سی آر داس کی تجویز پر اقبال کی خدمات حاصل کی گئیں۔ (اقبال کی صحبت میں: محمد عبداللہ چغتائی، ص

کے واسطے میرے خیال میں ایوانِ خواص موزوں ہے یا ایوانِ اُمرا، لیکن مقدّم الذکر موزوں تر ہے، اگر پہلے چیمبر کو ایوانِ عام کہا جائے، ایوانِ اوّل و ثانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر نام یا تو بالکل فارسی ہونا چاہیے یا بالکل ہندی، شتر گربہ کچھ نہ ہو گا اور کسی کو پسند بھی نہ ہو گا۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ سُنا ہے، گرامی صاحب نے رخصت کی توسیع کرا لی ہے۔
والسلام

مخلص

۹/مارچ ۲۰ء محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۹)

لاہور، ۱۸/مارچ ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

دائرۃ المعارف، مصنفہ البستانی،[۱] **مجلّد سابع، صفحہ ۴۴۲**۔ مِمَّنْ لَهُمْ شُهْرَةٌ مِنْ وُلْدِ خَالِدٍ اِبْنُهُ الْمُهَاجِرُ وَابْنُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَحَفِيْدُهٗ خَالِدُ ابْنُ الْمُهَاجِرِ وَغَيْرُهُمْ۔ وَقَالَ الزُّبَيْرُ ابْنُ بِكَارٍ قَدِ انْقَرَضَه وَلَدُ خَالِدِ ابْنِ وَلِيْدٍ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ اَحَدٌ۔[۲]

---

۲۲۸)۔ اس مقدمے میں اقبال کی فیس ایک ہزار روپے یومیہ تھی اور یہ پیش کش بھی ہوئی کہ اقبال چاہیں تو ان دستاویزات پر ایک دو ماہ غور کر سکتے ہیں اور اگر انھیں کتابیں دیکھنے کے لیے لاہور یا کلکتہ جانا ہو تو حکومت سہولتیں دے گی مگر اقبال نے ایک دو روز میں عدالت کو رائے پیش کی اور واپس روانہ ہوئے، یہ اقبال کے استغنا اور عظمتِ کردار کی ایک درخشاں مثال ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: محمد اقبال: ایک ادبی سوانح: جگن ناتھ آزاد، ص۹۹ - ۱۰۲)

[۱] شامی مسیحی مفکّر بطروس البستانی (۱۸۱۹ء- ۱۸۸۳ء) کا مرتّبہ عربی زبان کا انسائیکلوپیڈیا۔

[۲] ترجمہ: حضرت خالد بن ولید کی اولاد سے جو مشہور ہیں، ان میں ان کا بیٹا المہاجر اور دوسرا بیٹا عبد الرحمن اور ان کا پوتا خالد بن المہاجر وغیرہ شامل ہیں۔ زبیر ابن بکار کہتے ہیں کہ خالد بن ولید کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چلا بلکہ منقطع ہو گیا۔

مقصود مندرجہ بالا عبارت کا یہ ہے کہ خالدؓ کی اولاد سے المہاجر عبد الرحمن اور خالد ابن المہاجر، ان کے پوتے، مشہور ہوئے ہیں۔ الزبیر ابن بکار[۱] کہتے ہیں کہ سلسلۂ اولاد خالد ابن ولید کا منقطع ہو گیا۔

آپ کے سوال کا جواب اس میں آ جاتا ہے۔ ابنِ خلکان[۲] نہیں دیکھ سکا، لیکن سب سے زیادہ معتبر طبقات ابنِ سعد[۳] ہے، مجھے یقین ہے، خالدؓ بن ولید کا ذکر اس میں ضرور ہو گا۔ علی گڑھ کالج کے کتب خانے میں ہے۔ وہاں کسی کو لکھ کر دریافت کیجیے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۴۰)

۱۰/ اپریل ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

---

۱ ابو عبد اللہ الزبیر ابن بکار (م: ۸۷۰ء) جیّد عالم تھے۔ تاریخ، حدیث، نسب اور شعر و ادب میں بلند مقام رکھتے تھے۔ خلیفہ متوکل کے بیٹے کے اتالیق اور مکہ و مدینہ میں قاضی رہے۔ ان کی سب سے معروف کتاب انساب قریش و اخبار ھم ہے۔ (دائرہ معارف، جلد ا، ص ۴۳۶ - ۴۳۷)

۲ ابن خلکان (۱۲۱۱ء - ۱۲۸۲ء) دمشق میں قاضی القضاۃ رہے۔ مدرسہ الفخریہ میں سات سال تدریس کا کام کیا۔ ان کا شمار عرب کے بہترین مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کی معروف تصنیف وَفَیَات الاعیان و اَنباء ابناء الزمان ۱۲۵۶ء اور ۱۲۷۴ء کے درمیان مکمل ہوئی اور یہی ان کی وجہ شہرت بنی۔ یہ سیر پر اہم ماخذ ہے۔ اقبال یہی کتاب دیکھنا چاہتے تھے۔ (دائرہ معارف: جلد اول، ص ۵۰۸ - ۵۱۰)

۳ طبقات ابن سعد جسے الطبقات الکبیر یا الطبقات الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے، تاریخی واقعات پر مشتمل ابو عبد اللہ محمد ابن سعد (۷۸۴ء - ۸۴۵ء) کا ایک قدیم تذکرہ ہے۔ اس میں سیرتِ پاکؐ، سیرتِ صحابہء کرامؓ اور تابعین کے حالات و واقعات طبقہ در طبقہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہ قدیم تصنیف آج بھی ایک معتبر ترین ماخذ ہے۔

طبقات ابن سعد جلد چہارم (ص ۳۸۴ - ۳۸۵) میں حضرت خالد بن ولید کا ذکر ہے لیکن المہاجر عبد الرحمن اور خالد بن المہاجر کا ذکر طبقات کی کسی جلد میں نہیں ہے۔

انجمن[1] کے حالات پھر کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا۔ میں خود اس قسم کے جھگڑوں سے علاحدہ رہا اور ہمیشہ سے میرا یہی شیوہ ہے مگر جب عامہ مسلمین مجھ سے کسی خدمت پر اصرار کریں تو انکار نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک میری بساط ہو گی، ان شاء اللہ کام کیا جائے گا۔[2] چندے کے اعتبار سے اس جلسے کو بڑی کامیابی ہوئی۔[3] حالانکہ کام کرنے کے لیے کوئی وقت نہیں ملا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذالِکَ۔

مولانا گرامی آئے ہوئے تھے۔ اُن کی طبیعت علیل تھی۔ آج صبح تشریف لے گئے ہیں۔ ہاں، کبوتروں کے متعلق لکھنا بھول گیا۔ آپ نے دو جوڑے ارسال فرمائے تھے، جن میں سے ایک کا عدم وجود برابر تھا، کیونکہ وہ اپنے انڈے توڑ دیتا تھا۔ اب مہربانی [کر کے] دو جوڑے یا اگر دو نہیں تو ایک ارسال فرمایئے۔ وہ نسل کبوتروں کی بہت عمدہ ہے، اس نسل کے ہوں جس سے وہ پہلے کبوتر تھے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مولانا گرامی سٹیشن کی راہ سے ہی واپس آ گئے ہیں، کہتے ہیں کہ دو بجے کی گاڑی میں جاؤں گا۔[4] والسلام

---

[1] انجمن حمایت اسلام کا قیام ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو عمل میں آیا۔ اس کے بنیادی مقاصد: فروغ عیسائیت کا سدِباب، مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی حالت بہتر بنانا، یتیم بچوں کے لیے اداروں کا قیام اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت تھے۔ متعدد نامور مسلمان اس کے عہدیدار اور سرپرست رہے۔ اقبال بھی ۱۹۰۰ء سے لے کر تا حینِ حیات مختلف حیثیتوں سے انجمن سے وابستہ رہے۔

[2] ۱۹۱۸ء میں انجمن کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ بعض افراد کی شدید بد عنوانیوں کی وجہ سے مالی مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ لوگ بد دل ہو گئے چنانچہ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۹ء کے اجلاس میں شیخ عبدالعزیز کو سیکرٹری کے عہدے سے ہٹا کر ڈاکٹر اقبال کو نیا سیکرٹری بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ (اقبال اور انجمن حمایت اسلام: ص ۵۴-۵۵)

[3] انجمن کے پینتالیسویں اجلاس (۲ تا ۴/ اپریل ۱۹۲۰ء) میں خاصا چندہ جمع ہوا تھا، اسی طرف اشارہ ہے۔

[4] اشارہ ہے مولانا گرامی کی مضطرب طبیعت اور متلون مزاجی کی طرف ــــ ایک دفعہ علامہ نے اپنے ملازم علی بخش کو ہوشیار پور بھیجا کہ وہ گرامی کو لے آئے۔ وہ کئی روز تو آج کل کہہ کر ٹالتے رہے، آخر کار

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۱)

۱۶/اپریل ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سپاس گزار ہوں۔

کبوتروں کے واسطے میں نے ماسٹر رحمت اللہ،[1] ڈرائنگ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول، جالندھر کو لکھا ہے۔ اگر وہ عن قریب لاہور آنے والے ہوئے تو اُن کے ہم دست ارسال فرما دیجیے گا اور اگر مجھے معلوم ہوا کہ وہ عن قریب آنے والے نہیں ہیں تو پھر میں آپ کے بلانے پر اپنا آدمی یہاں سے ارسال کر دوں گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے کبوتروں کے برابر میرے تجربے میں کوئی نسل کبوتروں کی نہیں آئی۔ میں نے لدھیانے، ملتان، سیالکوٹ، گجرات، شاہ جہان پور سے کبوتر منگوائے، مگر اتنی تعداد اچھی خواص کی کسی نسل میں جمع نہیں، جتنی کہ آپ کے کبوتروں میں۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہری شکل خوب صورت اور اس کے ساتھ اڑان اور کھیل۔

ایک روز تیاری کر لی۔ علی بخش نے سامان باندھ کر تانگے میں رکھ دیا۔ گرامی نے اندر باہر آتے جاتے، بیگم سے باتیں کرتے، دیر کر دی۔ ۱۱،۱۰ بج گئے۔ موسم گرمی کا تھا۔ آخر کار گھر سے نکل کر باہر تانگے پر آ بیٹھے۔ تانگا دھوپ میں تپ چکا تھا۔ چنانچہ فوراً نیچے اترے اور علی بخش سے کہنے لگے: علی بخش! تم لاہور چلے جاؤ، ڈاکٹر صاحب سے کہنا: تانگا گرم ہو گیا تھا، اب ہم سردیوں میں آئیں گے۔(مکاتیب بنام گرامی: ،ص۳۵)

[1] ماسٹر رحمت اللہ (م: ۱۹۳۱ء) جالندھر تحریک خلافت کے صدر اور کانگریس کے سیکرٹری تھے۔ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود سیاسی سرگرمیوں میں بڑے فعال رہے۔ حفیظ جالندھری کے بے تکلف دوست تھے۔ حفیظ کی بیگم نے اپنی کتاب حفیظ: میرا شوہر کا انتساب انھی کے نام کیا۔ ۱۹۳۱ء میں آئرلینڈ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہیں۔(شعلۂ مستعجل، اکرام رانا، ص۱۹)

گرامی صاحب یہاں کئی روز رہے اور خوب شعر خوانی ہوتی رہی، [۱] مگر وہ کچھ بیمار ہوگئے، جس میں اُن کے وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کو دکھلایا گیا۔ اگر وہ ٹھہرتے تو اُن کا باقاعدہ علاج کرایا جاتا۔ [۲] جالندھر اور ہوشیار پور کی نسبت تو اُن کے قدر دانوں کی تعداد لاہور میں زیادہ ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کیوں جلد اُداس ہو جاتے ہیں۔ کل اُن کا خط آیا تھا، جس میں اُنھوں نے ایک شعر نہایت مزے کا لکھا تھا۔ اس ضیافتِ روحانی میں آپ کو بھی شریک کرتا ہوں:

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں راچہ حال است ایں
یکے دیوانہ می گردد یکے فرزانہ می خیزد [۳]

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۲)

لاہور، ۱۱/ مئی ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، الحمدللہ کہ آپ کو صحت ہوگئی۔ جس کبوتر کا آپ نے ذکر [کیا ہے] اُس کو میں نے بھی خصوصیت سے نوٹ کیا ہے۔ واقعی شکل سے بھی نہایت اچھا اور صاحبِ اوصافِ مطلوبہ معلوم ہوتا ہے۔

نواب ابراہیم علی خاں صاحب نے کنج پورہ [۱] سے چند سفید کبوتر بھیجے ہیں۔ دیکھنے میں وہ بھی نہایت اچھے ہیں۔ کیا عجب کہ اوصاف میں بھی اچھے ہوں۔ چونکہ بھیجنے والا بانیِ کعبہ کا ہم

---

۱ دیکھیے: خط ۸، حاشیہ ۶

۲ گرامی اسی کے بارے میں نیاز کو لکھتے ہیں: "لاہور بارہ دن رہا، چار روز اچھا اور ۸ روز بیمار"۔ (مکاتیب گرامی مشمولہ: مکاتیب بنام نیاز، ص ۸۰)

۳ ترجمہ: یہ کیا ماجرا ہے کہ لیلیٰ و مجنوں ایک ہی کتاب سے سبق پڑھتے ہیں مگر ایک دیوانہ ہو جاتا ہے اور دوسرا فرزانہ۔ یہ شعر دیوانِ گرامی یا کلیات گرامی میں نہیں ہے، البتہ اسی زمین اور ردیف قافیے میں گرامی کے دس اور اشعار ملتے ہیں۔ ممکن ہے خود گرامی نے اسے قلم زد کر دیا ہو۔

نام[2] ہے، اس واسطے میں نے ان کبوتروں کو کبوترانِ حرم کا خطاب دیا ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل کے کبوترانِ حرم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔[3] کسی فارسی استاد کا شعر تھا۔ میں نے اس پر ایک شعر اور لگا کر شریفِ حرم[4] کو خطاب کیا ہے:

با مرغِ حرم از من دل سوختہ فرما
اے آنکہ بصحرا نفس آزاد بر آری
"جویاے گلستانی و از طالع گمراہ
ترسم کہ سر از خانۂ صیّاد بر آری[5]

---

[1] والیِ ریاست کنج پورہ نواب ابراہیم علی خان (پ: ۱۸۷۹ء) ایچی سن کالج لاہور کے تعلیم یافتہ تھے اور اقبال کے دوستوں میں سے تھے۔ مکتوب الیہ نیاز انھی کے عہد میں ریاست کنج پورہ کے مینیجر رہے۔ (تذکرہ رؤساے پنجاب، ص۲۲- ۳۹)۔ کنج پورہ کرنال شہر سے چند میل کے فاصلے پر ایک سو بیس دیہات پر مشتمل ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کی بنیاد یوسف زئی پٹھانوں نے ۱۷۲۲ء میں رکھی تھی۔ (مزید دیکھیے: تاریخ کنج پورہ :اثر نیاز، فصل اول و دوم)

[2] بانیِ کعبہ حضرت ابراہیمؑ تھے۔

[3] آج کل کے کبوترانِ حرم کا اشارہ حسین بن علی، شریف (گورنر) مکہ کی طرف ہے، جس نے انگریزوں کی شہ پر سلطنت عثمانیہ سے غداری کرتے ہوئے حجاز میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس سے سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ہوئے اور ملّتِ اسلامیہ کی یک جہتی کو سخت نقصان پہنچا۔

[4] حسین بن علی (۱۸۵۴ء- ۱۹۳۱ء) استنبول میں پیدا ہوا۔ مکّہ میں تعلیم پائی۔ استنبول پارلیمنٹ کا رکن رہا۔ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء- ۱۹۱۹ء) میں اس کے بیٹے امیر عبداللہ نے لارڈ کچنر سے مذاکرات کر کے بغاوت کا منصوبہ بنایا۔ ۱۰ جون ۱۹۱۶ء کو حسین بن علی (شریفِ مکّہ) نے پہلی گولی چلا کر بغاوت کا آغاز کیا۔ اس بغاوت میں لارنس آف عریبیا نے اہم کردار ادا کیا۔ اس بغاوت کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کا چار سو سالہ اقتدار ختم ہو گیا۔ (مزید دیکھیے: دائرہ معارف، جلد ۱۱، ص۷۱۹- ۷۲۱)

[5] یہ اشعار اقبال کے متداول کلام میں موجود نہیں البتہ باقیات اقبال (ص۲۵۷) میں موجود ہیں۔ ترجمہ: مجھ سوختہ جاں کی طرف سے مرغِ حرم (شریف مکہ) سے کہہ دو کہ تو تو صحرا میں آزادانہ سانس لیتا ہے۔ اب تو باغ و بہار کی تلاش میں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ شومیِ قسمت سے کہیں صیاد کے گھر نہ جا نکلے۔

آپ کا مضمون ''خلافت''[1] میری نظر سے نہیں گزرا، مگر منگوا کر دیکھوں گا۔ شیخ عمر بخش صاحب نے بھی اُس کا ذکر کیا تھا۔ ایران کے فلسفے پر میں نے ایک کتاب لکھی تھی،[2] محض ایک خاکہ تھا، جسے بعد میں پُر کرنے کا قصد تھا۔ مگر وقت نے مساعدت نہ کی۔ افسوس کہ اب اس کی کوئی کاپی میرے پاس موجود نہیں۔ گورنمنٹ کالج کے کتب خانے میں ایک کاپی ہے۔ کئی دن ہوئے، میں نے راما کرشنا، کتب فروش لاہور سے کہا کہ لنڈن سے اُس کی ایک کاپی مجھے منگوا دے۔ لنڈن سے مل سکتی ہے۔ پتا یہ ہے:

Messers Luzac & Co.
Oriental Publishers & Booksellers,
Opposite to British Museum, London.

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۳)

لاہور، ۱۸/ مئی ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لیے ممنون ہوں۔

---

[1] نیاز کا یہ مضمون ''خلافت کی حقیقت'' روزنامہ زمیندار میں ۳۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو شائع ہوا۔ اس کا متن، ضمیمہ ۲ میں دیا جا رہا ہے۔

[2] مراد ہے: اقبال کا پی ایچ ڈی کا مقالہ *The Development of Metaphysics in Persia* جو ۱۹۰۸ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اب تک کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال اس کے معیار سے مطمئن نہ تھے، اسی لیے جب میر حسن الدین نے اس کا ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی تو انھوں نے لکھا: ''میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہو گا۔ یہ کتاب اب سے ۱۸ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اُس وقت سے اب تک نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بہت سا انقلاب آ چکا ہے''۔ (انوارِ اقبال، ص ۳۰)

میں نے نبی کریمؐ کو مخاطب کر کے ایک فارسی قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے، جس میں یہ سب مضامین ان شاء اللہ آ جائیں گے۔ خدا کرے کہ یہ ختم ہو جائے۔ عرشی امرتسری[۱] نے چند شعر لکھ کر میرے زخم کو چھیڑ دیا۔[۲] اُن کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کر دیا تھا[۳] جو آپ کی نظر سے گزرا ہو گا۔ اصل جواب ابھی باقی ہے۔ ابھی چند اشعار ہی لکھے ہیں، مگر اُن کے لکھتے وقت قلب کی جو حالت ہوئی، اس سے پہلے عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی۔ دو شعر لکھتا ہوں:

بہرِ نذرِ آستانت از عجم آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من

---

[۱] حکیم محمد حسین عرشی امرت سری (م: ۱۹۸۵ء) علامہ اقبال سے ۱۹۱۸ء میں متعارف ہوئے۔ ان کے نام اقبال نامہ، اول میں چار خط (ص ۳۳-۲۷) موجود ہیں۔ وہ بیک وقت طبیب، عالمِ دین، فلسفی، شاعر اور محقق تھے۔ اقبال پر عرشی کی تحریروں کا مجموعہ اقبال پیام بر امید، راجا تصدق حسین نے مرتب کیا ہے۔ (فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۱ء)

[۲] اقبال نے جنگ عظیم اوّل کے شروع میں عزلت نشینی اختیار کی اور مثنویوں کی تصنیف و تالیف میں لگے رہے۔ تحریک خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات میں بھی اقبال کے نقطۂ نظر کو نہ سمجھا گیا۔ عرشی اور ان کے دوستوں نے اقبال کا سکوت توڑنا چاہا۔ چنانچہ گیارہ اشعار پر مشتمل عرشی کی ایک نظم "پیامِ عرشی بنام اقبال" روز نامہ زمیندار میں چھپی، یہ باقیاتِ اقبال (ص۲۴۷) میں بھی شامل ہے۔ یہاں "چند شعر" سے مراد یہی نظم ہے۔

[۳] اقبال نے عرشی کی نظم کے جواب میں پانچ اشعار زمیندار (۲۲ مئی ۱۹۲۰ء) میں چھپوائے جن کا عنوان تھا: "زوالِ آلِ عثمان" پہلا شعر اس طرح ہے۔

دانی کہ چیست شیوۂ مردانِ پختہ کار
عرشی گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

(باقیاتِ اقبال، ص۲۴۸)

ترجمہ: کیا تمھیں معلوم ہے کہ پختہ کار مردوں کا شیوہ کیا ہوتا ہے؟ عرشی صاحب! آپ یہ گماں نہ کریں کہ میرا جام ٹوٹ گیا۔

تیغِ لا در پنجۂ ایں کافر دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ اِلّاے من[1]

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۴)

لاہور، ۲۱/ مئی ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ آپ ابھی تک ناتواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت عاجل کرامت فرمائے۔ جس رشتے کا میں نے ذکر کیا تھا، اُس کے کوائف مختصر یہ ہیں:

آپ شاید مولوی عبداللہ خاں سابق سیکنڈ ماسٹر ماڈل سکول لاہور کو جانتے ہوں گے۔ یہ صاحب عرصے سے لاہور میں مقیم ہیں اور خان بہادر ڈپٹی برکت علی مرحوم کے رشتہ دار اور اصل میں شاہ جہان پور کے رہنے والے ہیں خاں صاحب مرحوم کے مکان کے قریب ہی اُن کا مکان ہے۔ یعنی موچی دروازے کے باہر۔

جس لڑکی کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ اُن کی نواسی ہے۔ لڑکی کے باپ شبیر حسین خاں کو میں کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ نہایت نیک نفس آدمی ہے۔ وہ بھی برکت علی صاحب مرحوم کے عزیزوں میں ہیں اور شاہ جہان پور کے رہنے والے ہیں۔ فنانشیل کمشنر کے دفتر میں بمشاہرہ یک صد یا شاید ڈیڑھ سو روپیا ماہوار ملازم ہیں۔ اُن کے ہاں اور کوئی اولاد نہیں ہے۔

---

[1] یہ اشعار پیامِ مشرق (ص ۱۸۳) میں شامل ہیں مگر مصرع اولیٰ اس طرح ہے: ع
بہر دہلیز تو از ہندوستاں آوردہ ام

اشعار کا ترجمہ: وہ ایک سجدہ شوق جو ادا ہونے کے شوق میں تڑپ کر میری جبین میں خون بن گیا تیرے آستانے پر نذر کرنے ہندوستان سے آیا ہوں۔ تو اس کافرِ دیرینہ کے ہاتھ میں لا کی تلوار دے پھر دیکھ میں دنیا میں الا سے کیا ہنگامہ برپا کرتا ہوں۔

مولوی عبد اللہ خاں صاحب کا بھی کوئی وارث سوائے اس لڑکی کی والدہ کے نہیں ہے۔ غرض کہ سارے خاندان میں صرف یہی ایک لڑکی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، لڑکی کی تعلیم و تربیت اچھی ہے اور شکل و صورت کے اعتبار سے بھی بہت اچھی ہے۔ والد اس کا خوش شکل آدمی ہے۔ اس سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے۔ شاہ جہان پور کے افغان صحیح النسب بھی ہوتے ہیں۔ مزید حالات بھی اگر آپ چاہیں تو معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں نے یہ خط بہت جلدی میں گھسیٹا ہے۔ اس واسطے کہ روزے کی وجہ سے طبیعت پریشان ہے اور شام کا وقت قریب ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۵)

لاہور، ۱۰/ جون ۲۰ء

مخدومی ! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

انسانوں کو خدا نے قبائل میں تقسیم کیا اس واسطے کہ اُن کی شناخت کی جا سکے۔ (وجعلْنکُم [شعوبا و] قَبائلَ لتعارفُوا)[1] نہ اس واسطے کہ یہ امتیاز سلسلۂ ازدواج میں ممدو معاون ہو۔

خویشتن را ترک و افغاں خواندۂ
وائے بر تو آں چہ بودی ماندۂ[2]

---

[1] سورۃ الحجرات ، آیت ۱۳ ترجمہ: اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔

[2] اسرارِ ورموز، ص۱۵۷– ترجمہ: تو خود کو ترک اور افغان کہتا ہے، افسوس کہ تو جیسا تھا ویسا ہی رہا۔

بہر حال میں مزید حالات دریافت کروں گا۔ اُن کے صحیح النسب افغان ہونے میں تو کلام نہیں مگر ریاست میں وہ شاید یہ سلسلہ پسند نہ کریں۔ اگر اُمید افزا جواب ملا تو لکھوں گا۔[1] لندن و برلن کا سفر ضرور کیا تھا۔ مگر وہ بات اور تھی:

"چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو"[2]

اگر وہی امر اب بھی محرک ہو تو اقبال افریقہ کے ریگستان طے کرنے کو تیار ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھیے کہ جالندھر نہ آئے گا۔ آموں کی کشش، کشش علم سے کچھ کم نہیں۔ یہ بات بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں [میں] صرف آم ہی ایک ایسی شے ہے جس سے مجھے محبت ہے۔ کل سردار جوگندر سنگھ،[3] ایڈیٹر ایسٹ اینڈ ویسٹ[4] ملنے آئے تھے۔ کہتے تھے، لکھنؤ سے بھجواؤں گا اور ساری فصل بھجواتا رہوں گا۔ چند سال ہوئے مولانا اکبر نے الٰہ آباد سے لنگڑا آم بھیجا تھا۔ میں نے رسید میں یہ شعر لکھا:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبرؔ
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا[5]

غرض کہ ان شاء اللہ اب کے جالندھر میں آپ سے ملاقات ہونے کی اُمید ہے۔ جولائی میں عدالت بند ہونے پر مجھے شاید کلکتہ یا الٰہ آباد جانا ہو گا کیونکہ وہاں ہندوستان کی

---

[1] گذشتہ خط میں جس رشتے کا ذکر ہوا، اُسی طرف اشارہ ہے۔

[2] نظم "التجائے مسافر" (بہ درگاہِ حضرت محبوب الٰہی) بانگِ درا، ص۹۶

[3] سردار جوگندر سنگھ (۱۸۷۷ء-۱۹۴۵ء) ایک جاگیر دار تھے، جو پنجاب یونی ورسٹی کے فیلو بھی رہے، اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں انھیں سر کا خطاب ملا۔ *East and West* رسالے کی مجلسِ ادارت میں بھی رہے۔ ریاست پٹیالہ اور بعد میں صوبہ پنجاب کے وزیر رہے۔ علامہ اقبال کو بانگِ درا، (ص۱۹۶) کی نظم "موٹر" کے لیے انھی کے ایک قول سے تحریک ہوئی تھی۔

[4] دیکھیے: خط ۱۷، حاشیہ ۳

[5] اقبال نے یہ شعر فی البدیہہ کہہ کر بھیج دیا اور خط میں ہی محفوظ رہ گیا۔ اسی حوالے سے باقیاتِ اقبال (ص۵۹) میں شامل ہے۔

یونی ورسٹیوں کی کانفرنس ہے اور پنجاب یونی ورسٹی نے مجھے اپنا نمایندہ منتخب کیا ہے۔ اس سفر سے واپس آتے ہوئے ان شاء اللہ نیاز الدین خاں صاحب کا نیاز حاصل ہو گا۔[۱]

افسوس کہ قصیدہ ابھی تک ختم نہ ہوا البتہ کچھ شعر اور ہو گئے ہیں۔[۲] کیا کیا جائے یک سر و ہزار سودا۔ لیکن جو کچھ میرے دل میں ہے وہ کاغذ پر آ گیا تو واقعی وہ قصیدہ ایسا ہی ہو گا کہ اسے وظیفے میں داخل کیا جائے۔ اسرارِ خودی کا انگریزی[۳] ترجمہ جو پروفیسر نکلسن نے کیا ہے، تیار ہو کر پبلشر کے پاس چلا گیا ہے۔ اُمید ہے دو چار ماہ میں شائع ہو جائے گا۔ پروفیسر نکلسن[۴] نے یہاں ایک پروفیسر کو خط لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس مثنوی کے خیالات Most original and remarkable ہیں۔ انگلستان میں انھوں نے کئی لیکچر اس مثنوی پر دیے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ ترجمہ مقبول ہو گا۔

زیادہ کیا عرض کروں، خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گرمی کی شدت یہاں بھی ہے۔ اب تک صرف گیارہ روزے رکھ سکا ہوں۔ وسط ایشیا کی ہانڈی ابل رہی ہے۔[۵] خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔

---

۱ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اقبال نے اس کانفرنس میں شرکت کی یا نہیں، البتہ بستی دانش منداں نہیں جا سکے۔

۲ اقبال نے آقاے دوجہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جو قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا وہ مکمل نہ ہو سکا۔ البتہ جو اشعار کہہ سکے وہ بعد میں پیامِ مشرق (ص ۱۸۳) میں شامل کر دیے۔

۳ اسرارِ خودی کا ترجمہ آر اے نکلسن نے *The Secrets of the Self* کے نام سے کیا تھا جو ۱۹۲۰ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اب تک اس کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۴ رینالڈ اے نکلسن (Reynold A. Nicholson، ۱۸۶۸ء - ۱۹۴۵ء) معروف مستشرق تھے۔ تصوف سے دلچسپی تھی۔ دیوان شمس تبریز، کشف المحجوب اور تذکرۃ الاولیاء کے تراجم شائع کیے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ مثنوی مولانا روم کا تنقیدی تجزیہ اور ترجمہ ہے۔ تصوف پر اور بھی کتابیں لکھیں۔ اسرارِ خودی کا ترجمہ مغرب میں اقبال کے تعارف کا اوّلین ذریعہ بنا۔ (مزید دیکھیے: برٹانیکا جلد ۵، ص ۳۲۸)

۵ بیسویں صدی کے اوائل میں روس کی اندرونی صورتِ حال کے زیر اثر جدیدیت کی لہر اٹھی جس نے

تا بروید لالۂ آتش نژاد از خاکِ شام

باز سیر ابش زخونابِ مسلماں کردہ اند[۱]

کونٹ ٹالسٹائی[۲] (روسی امیر جس نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی اور جو اس ملک کے بہترین مصنفین میں تھا) کا خیال تھا کہ لالۂ آتش نژاد، منگولین قوم سے پیدا ہو گا اور اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا خروج یا ظہور کب ہو گا اور وہ اس وقت روس میں ہے یا وسطِ ایشیا میں یا شام میں۔[۳]

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۶)

لاہور، ۲۸/ اکتوبر ۲۰ء

مخدومی! السلام علیکم

روایت پسند مسلمانوں کی تحریک کو دبا دیا۔ مگر انقلابِ روس (۱۹۱۷ء) کے بعد اشتراکیوں نے مسلمانوں سے جو سلوک کیا، وہ مایوس کن تھا۔ جون ۱۹۲۰ء میں روس کے مسلمانوں پر جو بیت رہی تھی اقبال کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اشتراکی روس، زیادہ تر مسلم ریاستوں کو ہڑپ کر چکا تھا۔ اس کے بعد بھی اقبال کو تاحینِ حیات ''مردے از غیبے'' کی آس لگی رہی۔ اختر راہی: دو ماہی وسطی ایشیا کے مسلمان، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۲ء۔

۱ یہ شعر اقبال کے مدوّن کلام میں نہیں ملا۔ تاہم اس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کے خون سے سرزمین شام کو اس لیے سیر اب کیا گیا تا کہ ایک اور خونی کفن گل لالہ پیدا ہو۔ (مردمیدان اٹھے)

۲ ٹالسٹائی (۱۸۲۸ - ۱۹۱۰ء) معروف روسی ناول نگار، مفکر۔ *Ana Karenina* اور *War and Peace* اس کی یادگار تصانیف ہیں۔ اس نے معاشرے کے پسے اور دبے ہوئے طبقات پر بہت کچھ لکھا۔ اُس کی لکھی بعض نصابی کتب بھی بہت مقبول ہوئیں۔ (برٹانیکا، جلد ۲۲، ص ۶۶-۶۲)

۳ ٹالسٹائی، امام مہدی جیسی کسی شخصیت کے ظہور کا منتظر تھا جو دنیا میں امن اور انصاف کا بول بالا کر دے۔

والا نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ اب آپ کا مزاج بخیر ہے۔ شیخ صاحب سے آپ کی خیر و عافیت کی خبر ملتی رہی ہے۔

علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی۔[1] اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چلے تھے مگر طلبہ کو چھٹی دے دی گئی[2] ہے اور الحاق کے بارے میں خود اُن کی رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ اُمید ہے کہ اب اس بارے میں اراکین انجمن کو تردّد نہ رہے گا۔ میری تو یہی رائے ہے کہ گرانٹ اور الحاق کے بارے میں جو فتویٰ علما کا ہو[3]، اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ چونکہ واجب الطاعۃ امام اس وقت موجود نہیں، اس واسطے جمہور مشاہیر علمائے ہند کا فتویٰ ضروری ہو گا۔[4] صرف ایک عالم کا فتویٰ اس بارے میں کافی نہیں، خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] ان دنوں تحریکِ ترکِ موالات کے زیرِ اثر مولانا محمد علی جوہر اور بعض دیگر مسلم اکابر علی گڑھ میں جامعہ ملیّہ اسلامیہ کے نام سے ایک آزاد قومی یونی ورسٹی قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ آخر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ اقبال کو اسی خبر کا انتظار تھا۔

[2] تحریکِ ترکِ موالات ۱۹۲۰ء کے وسط میں شروع ہوئی۔ اس میں طے پایا کہ سرکاری خطابات واپس کر دیے جائیں، بدیشی مال کا بائیکاٹ کیا جائے، سرکاری زمینیں چھوڑ دی جائیں اور سرکاری امداد لینے والے ادارے امداد لینا بند کر دیں ورنہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اسی کے نتیجے میں علی گڑھ یونی ورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ نے بائیکاٹ کر دیا اور یہی حالات اسلامیہ کالج لاہور میں بھی پیدا ہو گئے، چنانچہ ہڑتال کے نتیجے میں کالج بند کر دیا گیا۔

[3] تحریکِ ترکِ موالات کے مطالبات میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ تعلیمی ادارے انگریز حکومت سے مالی امداد لینا بند کر دیں ورنہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ پنجاب یونی ورسٹی سے اسلامیہ کالج لاہور کے الحاق اور سرکاری امداد کے سلسلے میں، انجمن دو حصوں میں بٹ گئی اور فیصلہ الحاق اور امداد کے حق میں ہوا جب کہ طلبہ اور عوام اس فیصلے کے خلاف تھے۔ اقبال اس معاملے میں جمہور علما (جس میں ہر مکتبِ فکر کے علما شامل ہوں) کے فتوے کے حق میں تھے۔ اقبال کی یہ تجویز منظور نہ ہوئی اور اراکین کی اکثریت نے الحاق کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بعد ازاں طلبہ اور عوام کی مخالفت کے سبب کالج بند ہو گیا۔ بعد میں مسلمانوں کے بارے میں بدکلامی کرنے والے پرنسپل ہنری مارٹن کی معزولی اور خارج شدہ طلبہ کو واپس بلا لینے سے صورتِ حال بہتر ہو گئی اور کالج کھول دیا گیا۔

[4] مولانا محمود حسن (م: ۱۹۲۰ء) کی قیادت میں پانچ سو علما نے ترکِ موالات کے حق میں فتویٰ دیا مگر بعض علما اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ اقبال کا اصرار تھا کہ ترکِ موالات کے لیے مختلف مکاتبِ فکر کا،

علما کی غالب جماعت کا اس پر اتفاق ہونا چاہیے۔ ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اگر علما کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سرِ تسلیم خم ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں، قرآن کے احکام اس بارے میں صاف و واضح ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علما فتویٰ دیتے ہوئے خائف ہیں۔ بعض کی خدمت میں مَیں نے خطوط لکھے ہیں مگر اُمید نہیں کہ جواب ملے۔[1]

باقی رہا میرا ان لوگوں سے ہم خیال ہونا، ہم خیالی صرف اسی حد تک ہے، جس حد تک قرآن کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انھوں نے شائع کیا ہے کہ اقبال نے قومی آزاد یونی ورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے، تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے، بالکل غلط ہے۔ میرے ساتھ اُن کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی۔ واقعات کی رُو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں، میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، جو اخباروں میں شائع ہوئی ہے۔[2]

زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

اس مسئلے پر اتفاق ہونا ضروری ہے۔

[1] اس قسم کا کوئی خط اقبال کے کسی مجموعۂ مکاتیب میں نہیں ملتا البتہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نام خط کا ذکر انجمن حمایت اسلام کی کارروائیوں میں ملتا ہے۔(اقبال اور انجمن حمایت اسلام، ص۹۷)

[2] جامعہ ملیّہ اسلامیہ کی بنیاد ۱۹۲۰ء میں رکھی گئی اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں: ”مولانا محمد علی جوہر نے تجویز پیش کی کہ اقبال سے نئی یونی ورسٹی میں عہدۂ پرنسپل قبول کرنے کی درخواست کی جائے۔ یہ تجویز منظور ہوئی۔ ساتھ ہی خلافت کانفرنس کے رہنماؤں نے اخبارات میں خبر شائع کرا دی کہ اقبال نے علی گڑھ محمڈن کالج کے مقابلے میں نئی قائم شدہ آزاد یونی ورسٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ خبر پڑھ کر اقبال کو سخت ذہنی کوفت ہوئی“۔(زندہ رود، ص۲۵۱) اقبال نے اخبار میں اس خبر کی تردید شائع کرا دی۔ بعد میں گاندھی نے بھی اقبال کو خط لکھا کہ آپ یونی ورسٹی کی سربراہی قبول کر لیں لیکن اقبال نے معذرت کر لی۔

(۴۷)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے لیکن اس کا جواب لکھنا کارے دارد۔ بہت طویل ہو گا۔ فرصت مل گئی تو لکھوں گا، ورنہ اس وقت کا منتظر رہوں گا جب میں جالندھر آؤں یا آپ لاہور تشریف لاویں۔ انجمن کی سیکرٹری شپ سے میں نے استعفا ضرور دیا تھا مگر کام اب تک کر رہا ہوں۔ اور جب تک استعفا منظور نہ ہو، کرتا رہوں گا۔ اُمید کہ عوام کی حالتِ جنوں اب زیادہ دیر تک نہ رہے گی۔ تعلیم میں عدم تعاون کرنے کا طریقہ یہ نہ تھا، جو بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔[1] اگر عدم تعاون کو شرعی فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو طریقِ کار میرے نزدیک شریعتِ اسلامیہ کی سپرٹ کے مخالف ہے۔ اس پر مفصل گفتگو زبانی ہو گی اور احکامِ شریعت جو میری سمجھ میں آئے ہیں، عرض کروں گا۔ زمیندار میں آپ نے میرا مضمون ملاحظہ کیا ہو گا۔[2]

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اب اچھی ہے۔ ان شاء اللہ کمزوری بھی رفتہ رفتہ دور ہو جائے گی۔

مخلص

محمد اقبال

لاہور

۳؍ دسمبر ۲۰ء

---

[1] ۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں ممبران کی اکثریت نے یونی ورسٹی سے کالج کے الحاق اور گرانٹ لینے کے حق میں فیصلہ دیا۔ اقبال سمیت تین ممبران نے مخالفت کی۔ اقبال کا موقف یہ تھا کہ جمہور علما کے فتوے پر عمل کیا جائے خواہ وہ الحاق اور گرانٹ کے حق میں ہو یا مخالف (تفصیل کے لیے دیکھیے: اقبال اور انجمن، ص۹۸- ۱۰۳، نیز زندہ رود، ص۳۱۰- ۳۱۳)

[2] کالج کے الحاق اور گرانٹ کے بارے میں اقبال نے اپنا نقطۂ نظر ۱۵؍ نومبر ۱۹۲۰ء کے زمیندار میں شائع کر دیا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۸)

لاہور، ۲۱/ جنوری ۲۱ء

مخدومی ! السلام علیکم

والا نامہ ملا، الحمد للہ کہ اب آپ بالکل بخیریت ہیں اور مارچ میں لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہو گی۔

صرف اسرارِ خودی کا ترجمہ انگریزی ہوا ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے اخباروں میں عجیب و غریب ریویو، اس پر شائع ہو رہے ہیں۔[۱] اس وقت تک تین ریویو میری نظر سے گزرے ہیں۔[۲] میں نے سنا ہے کہ پچاس ریویو شائع ہو چکے ہیں۔[۳] نکلسن (مترجم کتاب) نے جو دیباچہ لکھا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ یورپ کے پڑھے لکھے آدمیوں میں اُمید نہیں کہ یہ کتاب مقبول ہو کیونکہ زندگی کے اعتبار سے وہ ممالک خود پیری کی منزل تک پہنچنے کو ہیں۔

---

۱ ۱۹۲۰ء میں آر اے نکلسن نے اسرارِ خودی کا ترجمہ *The Secrets of the Self* کے نام سے کیا، اور Macmillan & Co. Ltd, London نے شائع کیا۔ اس سے امریکہ اور یورپ کے مستشرقین اور علما اقبال سے روشناس ہوئے اور بعض نے اسرارِ خودی پر تنقیدی تبصرے کیے۔ اس کے بعد پیامِ مشرق اور اقبال کی دیگر تحریروں پر انتقاد کا سلسلہ چل نکلا جو اب تک جاری ہے۔

۲ اس وقت تک مندرجہ ذیل اہم ریویو شائع ہوئے تھے:

۱- ای ایم فاسٹر E.M. Foster کا تبصرہ دس دسمبر ۱۹۲۰ء کو *The Athenaeum* میں شائع ہوا۔ (متن ملاحظہ ہو: *The Sword and Sceptre* ص ۲۶۵- ۲۷۹)۔ اس کا ترجمہ معارف اعظم گڑھ کے جون ۱۹۲۱ء کے شمارے میں چھپا۔

۲- کیمبرج کے پروفیسر ایل ڈکنسن L. Dickinson کا ریویو *The Nation* میں شائع ہوا۔ (متن ملاحظہ ہو: کتاب مذکور، ص ۲۸۶- ۲۹۰) اس کا ترجمہ ستمبر ۱۹۲۱ء کے معارف میں شائع ہوا۔

۳- ڈاکٹر ای جی براؤن کا تبصرہ *The Journal of the Royal Asiatic Society* میں جنوری ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ بعد میں امریکی ادیب ہربرٹ ریڈ، اٹلی کے ڈاکٹر سکارپا اور کئی دیگر نقادوں نے مضامین اور ریویو لکھے۔ (مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، ص ۲۶۲- ۲۸۶، نیز: اقبال اور لذتِ پیکار: حق نواز، ص ۱۸۷- ۱۹۲)

۳ اس میں مبالغہ محسوس ہوتا ہے۔ اسرارِ خودی پر اس وقت تک تین ریویو چھپے تھے جو منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ (دیکھیے: اسی خط کا حاشیہ ۲)

نوجوان ملکوں پر اس کا اثر یقینی ہے یا ایسی اقوام پر جن کو خدا تعالیٰ نئی زندگی عطا کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی اشاعت ایک اور کتاب کے لیے، جو میں لکھ رہا ہوں[1]، زمین تیار کر دے گی۔ اس کا یورپ میں قبول ہونا بہت ممکن ہے۔ گو ہندوستان میں شاید وہ بھی مقبول نہ ہو۔ بہر حال یہ محض قیاسیات ہیں۔ قلوب کے حال کا سوائے خدا کے اور کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

کبوتر اب کے بہت سے شاہین نے ضائع کر دیے ہیں۔ آپ کے کبوتروں [کذا] سوائے ایک دو کے، سب محفوظ ہیں۔ ایک جوڑے نے اتنے عرصے میں اب بچے دیے ہیں جو اگلے سال اُڑنے کے قابل ہوں گے۔

مولوی گرامی صاحب کے خطوط چنداں قابل اعتبار نہیں ہوا کرتے۔ وہ جالندھر میں آجائیں تو ان کے لیے مکان کا انتظام کیجیے۔[2]

صائب[3] کے مطلعے کا دوسرا مصرع لاجواب ہے۔ آپ کا شعر بھی خوب رہا۔ والسلام

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

---

[1] پیامِ مشرق مراد ہے۔

[2] مولانا گرامی نے نیاز کو لکھا: ''آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہی مکان بابو رحمت اللہ صاحب سے ہم کو کرائے پر لے دیجیے...... دو چار ماہ جالندھر میں رہوں گا''۔ (مکاتیب گرامی، ۹ مارچ ۱۹۶۴ء، ص ۸)

[3] محمد علی صائب تبریزی (۱۶۰۱ء - ۱۶۶۹ء) کا آبائی وطن تبریز تھا۔ صائب اصفہان میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ ہندوستان، کشمیر اور کابل میں بھی رہے۔ شاہ عباس صفوی نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مضمون آفرینی اور رفعتِ خیال ان کی شاعری کی جان ہیں۔ (جامع اردو انسائیکلو پیڈیا، اوّل: ص ۳۵۷ - ۳۵۸)

(۴۹)

لاہور، ۲۳/اپریل ۲۱ء

مخدومی!

میں نواب ارشاد علی خاں[1] صاحب کے مقدمے کے لیے شملے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے دس روز کے بعد واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ہاں، شیخ عبد القادر صاحب جج ہو گئے۔[2] وسطِ مئی سے کام شروع کریں گے۔

مولانا اکبر کی تنقید میں نے بھی دیکھی ہے: ہمدم دیرینہ ہیں، اس واسطے مجھے یاد کر لیتے ہیں۔ مولانا گرامی کی کوئی نئی رباعی موصول نہیں ہوئی۔ اسرارِ خودی کا ترجمۂ انگریزی Messers Macmillan & Co. Publishers, Calcutta سے ملے گا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۵۰)

مخدومی! السلام علیکم

---

[1] نواب ارشاد علی خاں (پ: ۱۸۸۷ء): کرنال کے معروف منڈل خاندان کے چشم و چراغ اور لیاقت علی خان کے عم زاد تھے۔ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر رہے۔ (مزید دیکھیے: تذکرہ رؤسائے پنجاب، ص ۵۰-۴۸)

[2] شیخ سر عبد القادر (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۵۰ء) اقبال کے نہایت قریبی اور گہرے دوست تھے۔ اقبال کی شاعری کو مقبولِ عام بنانے میں شیخ عبد القادر اور مخزن کا بڑا ہاتھ تھا۔ بانگِ درا (ص ۱۵۸) میں شامل نظم "عبد القادر کے نام" انھی کے بارے میں ہے۔ انھیں اقبال کے پہلے اردو مجموعۂ کلام کا دیباچہ نگار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اقبال پر ان کے مضامین کا مجموعہ محمد حنیف شاہد نے نذرِ اقبال کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: "پنجاب کا سر سید" محمد حنیف شاہد، مشمولہ: نقوش، شمارہ ۱۴۰، ص ۶۸۷- ۷۳۳)

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔فتح نامۂ تیموری[1] کا مجھے علم نہیں۔ تیموری تزک[2] مشہور ہے جس کی نسبت بعض مورخین کو شک ہے کہ تیمور کی نہیں بلکہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہے۔ ابنِ عرب شاہ[3] نے تیموری تاریخ لکھی ہے جس میں مصنف نے خوب دل کھول کر گالیاں دی ہیں۔تزک تیموری کا اُردو ترجمہ مولوی ان شاء اللہ، ایڈیٹر وطن نے کیا تھا۔ تزک پڑھنے کا شوق ہو تو تزکِ بابری[4] بہترین کتاب ہے۔ والسلام، اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

لاہور، ۱۷/ جون ۲۱ء

---

۱ فتح نامۂ تیموری: یہ کتاب تیمور نامہ کے نام سے مشہور ہے اور اسے روز نامہ غزوات ہندستان بھی کہتے ہیں۔ یہ امیر تیمور کی ایران، افغانستان، عراق اور برعظیم پاک وہند کی فتوحات کی تاریخ ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ فارسی کے طالب علم محمد اطہر مسعود نے پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کی زیر نگرانی تیمور نامہ کی تدوین کی ہے، ۱۹۹۲ء میں تیار کیا گیا یہ مقالہ ایم اے سطح کا ہے۔

۲ تزکِ تیموری: ترکی زبان میں امیر تیمور (۱۳۳۶ء - ۱۴۰۵ء) کی خود نوشت ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ ابو طالب حسینی نے کیا ہے۔ یہ کتاب ملفوظاتِ تیموری اور واقعاتِ تیموری کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ تاریخی واقعات، معاشرتی حالات اور جغرافیائی معلومات کا خزانہ ہے۔

۳ ابنِ عرب شاہ (۱۳۹۲ء - ۱۴۵۰ء) تیمور کا سب سے بڑا ہجو گو اور نقاد تھا۔ وہ ایک بڑا انشا پرداز، عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کا ماہر تھا۔ تیمور نے دمشق فتح کیا تو وہ دمشق میں قیام پذیر تھا۔ امیر تیمور اسے گرفتار کر کے سمرقند لے آیا۔ یہ کئی سال یہاں رہا عجائب المقدور فی نوائب تیمور ابن عرب کی مشہور تصنیف ہے جس میں تیمور کو ظالم و عیاش اور بدکار کہا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔(دائرہ معارف، جلد ا، ص۶۰۳- ۶۰۴)

۴ تزکِ بابری: ظہیر الدین بابر (۱۴۸۳ء - ۱۵۳۰ء) کی خود نوشت ہے جس میں بابر کے عہدِ حیات کے اہم واقعات ترکی زبان میں قلم بند کیے گئے ہیں۔ عبد الرحیم خان خاناں (۱۵۵۶ء - ۱۶۲۷ء) نے ۱۵۵۹ء میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اردو ترجمہ رشید اختر ندوی (م: ۲۱/ جولائی ۱۹۹۲ء) نے کیا جسے ۱۹۶۵ء میں سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔

(۵۱)

لاہور، ۸/ دسمبر ۲۱ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

میں اس شعر کا مطلب آپ کو نہ بتاؤں گا[۱] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ دوسرا مصرع سمجھتے ہیں۔ جس کو دوسرا مصرع آتا ہے، اُسے پہلا بھی آتا ہے۔ اپنی طبیعت کو ٹٹولیے، وہاں اس کا مطلب مل جائے گا۔ پوری غزل مخزن کے گذشتہ نمبر میں شائع ہوئی تھی۔[۲] مجھے اشعار تمام یاد نہیں، کہیں لکھے رکھے ہیں، تلاش کی ہمت نہیں۔ مخزن کا وہ نمبر منگوا لیجیے۔

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ سردار اُمراؤ سنگھ[۳] شملہ بلا رہے ہیں۔ یہاں سے احباب کی ایک جماعت کرسمس کی تعطیلیں گزارنے کے لیے شملہ جانے کا قصد کر رہی ہے۔ اگر مولانا گرامی دسمبر میں لاہور آ جائیں تو میرے لیے لاہور کی

---

۱ زیر بحث شعر یہ تھا:

رہِ دیر تختۂ گل ز جبیں سجدہ ریزم
کہ نیاز من نگنجد بہ دو رکعت نمازے

ترجمہ: میری سجدہ ریزی سے دیر کی راہ تختۂ گل بن گئی ہے کیونکہ میری نیاز مندی دو رکعت میں نہیں سما سکتی۔

۲ مطبوعہ: مخزن (اکتوبر ۱۹۲۱ء)

۳ سردار امراؤ سنگھ مجیٹھیا (۱۸۷۰ء - ۱۹۵۴ء) پنجاب کے متموّل مجیٹھیا خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اردو، انگریزی، فارسی اور سنسکرت ادب سے شغف تھا۔ *East and West* کے ایڈیٹر رہے۔ اقبال کے گہرے دوست تھے۔ اقبال پر نواب ذوالفقار علی خاں کی کتاب *A Voice from the East* کا دیباچہ امراؤ سنگھ کے قلم سے ہے اور کتاب میں مذکور اردو، فارسی اشعار کا ترجمہ بھی امراؤ سنگھ نے کیا۔ دوسری گول میز کانفرنس میں جاتے ہوئے اقبال نے فرانس میں ان کے ہاں قیام کیا اور لندن سے واپسی پر انھی کے توسّط سے مشہور فلسفی برگساں سے اقبال کی ملاقات ہوئی۔ امراؤ سنگھ ہی نے گفتگو کے نوٹس لیے مگر بدقسمتی سے وہ اپنی تحریر نہ پڑھ سکے اور یہ قیمتی گفتگو تحریر میں نہ آ سکی۔

سرد آب وہوا میں تھوڑی سی حرارت پیدا ہو جائے۔ اُن کی خاطر شملے کی صحبت ترک کر دوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار رہیں۔[۱] والسلام

مولانا گرامی کی خدمت میں آداب عرض۔ اُن کو یہ شعر سنایئے:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ[۲]

محمدؐ اقبال

(۵۲)

لاہور، ۱۳/ دسمبر ۲۱ء

مخدومی ! السلام علیکم

کل آپ کے چھوٹے بھائی امیر الدین خاں[۳] لاہور میں تھے۔ اُن سے آپ کی اور مولوی گرامی صاحب کی خیریت معلوم ہوئی۔ آج آپ کا خط بھی ملا۔ شعر کا مطلب جو آپ نے سمجھا، ٹھیک ہے۔[۴] تختۂ گل کوئی محاورہ نہیں۔ تختۂ گل سے تختۂ گل ہی مراد ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جبینِ سجدہ ریز کی وجہ سے دیر کی راہ تختۂ گل بن گئی ہے۔ فارسی والے سجدے کو

---

۱ اقبال کے خطوط میں اس طرح کی لطیف چوٹوں کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔

۲ پیامِ مشرق، ص۱۶۶۔ ترجمہ: میرے دشتِ جنوں میں جبریل ایک معمولی شکار ہے۔ اے ہمت مردانہ! خدا کو شکار کر۔ مولانا روم کا ایک شعر اسی مفہوم کا ہے۔

بزیرِ کنگرۂ کبریااش مردانند
فرشتہ صید ، پیمبر شکار ، یزداں گیر

ترجمہ: عرش کے نیچے ایسے مردان پختہ کار ہیں جو فرشتوں، پیغمبروں اور یزداں کو بھی شکار کرتے ہیں۔

۳ دیکھیے: خط۱۶، حاشیہ ۲

۴ شعر دیکھیے: خط ۵۱، حاشیہ ۱

پھول سے تشبیہ دیتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ مولوی گرامی طال عمرہٗ کو دُعا کہیے۔

محمدؐ اقبال

(۵۳)

مخدومی! السلام علیکم

پوسٹ کارڈ مل گیا ہے۔ جس کے لیے شکریہ ہے۔

مولانا گرامی کب تک جالندھر کی سیر کریں گے۔ وہاں رہنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہاں کے لوگ ان کے مشتاق ہیں اور ہر روز اُن کے متعلق استفسارات [کرتے] رہتے ہیں۔ ہمتِ مردانہ والی غزل کہیں لکھی رکھی ہے۔ کاغذ مل گیا تو نقل کر کے بھیج دوں گا۔

آپ کی خاطر میں نے بدو رکعت نمازے کا مصرع اول بدل دیا۔ اب وہ مصرع یوں ہے:

گہے بندۂ بتانم گہے زائرِ مغانم
کہ نیازِ من نگنجد الخ[۱]

والسلام
محمدؐ اقبال، لاہور
۱۶ر دسمبر ۲۱ء

---

[۱] پیامِ مشرق : ص ۱۵۰

اقبال نے خط میں تو مصرع اولیٰ بدل دیا لیکن پیامِ مشرق میں یہ شعر اسی طرح ہے:

رہ دیر تختۂ گل ز جبیں سجدہ ریزم
کہ نیازِ من نگنجد بہ دو رکعت نمازے

خط میں مذکور (ترمیم شدہ) متن کا ترجمہ اس طرح ہے: کبھی میں بتوں کا نیاز مند ہوں اور کبھی پیرِ مغاں کا زائر، کیوں کہ میرا نیاز دو رکعت نماز میں نہیں سما سکتا۔

(۵۴)

لاہور، ۱۴؍ جنوری ۲۲ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔

نبی کریمؐ کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رویا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے۔ تا کہ قلب، محمدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبتِ محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قراءت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اوراس زمانے کے لوگ بھی اُن کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے، لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مولانا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔ کبوتر موجود ہیں مگر مشکلوں سے بچے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچوں کی پرورش کی ہے۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۵۵)

۲۴؍ جنوری ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ مولانا گرامی چند روز رہ کر واپس تشریف لے گئے۔ انھوں نے یا اُن کے احباب نے پُرانا ہی نسخہ استعمال کیا [1] اور میں نے

---

[1] دیکھیے: خط نمبر ۲۹، حاشیہ ۳

یہ پیش گوئی بھی کر دی تھی کہ یہ نسخہ استعمال کیا جائے گا۔ بہر حال چند روز ان کی صحبت میں اچھے گذر گئے۔ "زندگی" سے مراد زندگی بجسدِ عنصری نہیں۔ حضرت صدیقؓ نے قرآن کی آیت پڑھی تھی: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [1] اور یہ حق ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مولوی گرامی صاحب سے مل کر میرا اسلام عرض کیجیے۔ اُن کا یہ شعر نہیں بھولتا

کتابِ عقل ورق در ورق فرو خواندم
تمام حیلہ فروشی و مدّعا طلبی است [2]

محمدؐ اقبال، لاہور

(۵۶)

لاہور، ۱۸؍ مارچ ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ استفسارِ حال کا شکریہ۔

پہلے کی نسبت اب کچھ افاقہ ہے۔ [3] اب کے اچھا ہو لوں تو ان شاء اللہ سیر سحر گاہی کا التزام کروں گا۔ غزل نقل کرنے کی ابھی ہمت نہیں۔ [1] آپ لاہور تشریف لائیں گے تو نقل

---

[1] سورۃ العمران :۱۴۳۔ ترجمہ: اس سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔
جنگ احد میں جب نبی کریمؐ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ چلو آبائی دین کی طرف لوٹ چلتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمھاری حق پرستی یا اسلام نبی کی ذات کے لیے ہے کہ اس کے مرنے یا قتل ہونے پر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ کو تمھارا پھر جانا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

[2] دیوانِ گرامی، ص۲۱۔ ترجمہ: میں نے کتابِ عقل کا ایک ایک ورق اچھی طرح پڑھا ہے، یہ سب غرض مندی اور مکر و فریب ہے۔

[3] نقرس کے مرض کی وجہ سے ان دنوں علامہ چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کو ایک خط محرّرہ ۲۰؍ اپریل ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں: "میں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحبِ

کرادوں گا۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

(۵۷)

مخدومی! السلام علیکم

میں امتحان کے پرچوں میں مصروف رہا۔ اس واسطے آپ کے خط کا جواب نہ عرض کر سکا۔ ابھی آپ کا خط ملا ہے۔ میں نے سید صفدر علی شاہ صاحب[۲] کے ہم دست آپ کے لیے ایک کاپی "خضرِ راہ"[۳] ارسال کی تھی، تعجب ہے کہ وہ آپ تک نہیں پہنچی۔ آپ کے فارسی اشعار ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ فارسی اشعار کی اصلاح مولوی صاحب[۴] سے لیجیے۔

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۵ر مئی ۲۲ء

فراش رہا۔ اب افاقہ ہے"۔اقبال نامہ : اول، ص۱۱۷

۱ اس غزل (پیامِ مشرق، ص۱۶۶) کا معروف شعر ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

۲ سید صفدر حسین شاہ جالندھر کے سادات گھرانے کے فرد تھے۔ اقبال، نیاز اور شیخ عمر بخش سے مراسم تھے۔ انھوں نے کسی کام کے لیے اقبال سے سفارشی خطوط لکھوائے۔

۳ نظم "خضرِ راہ" تقریباً ایک ماہ پہلے (۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء کو) انجمن کے سالانہ جلسے میں پڑھی گئی تھی۔ (مشمولہ: بانگ درا، ص۲۸۲)۔

۴ مولانا گرامی مراد ہیں۔

(۵۸)

مکرم بندہ خان صاحب! السلام علیکم

مجھے نقرس[1] کی بیماری تھی۔ آپ کے دوست کو عرق النسِاء[2] ہے۔ وہ اور چیز ہے اور اس کا علاج نقرس کے علاج سے بالکل مختلف ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۰ر جولائی ۲۲ء

(۵۹)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میں شملہ سے بخیریت واپس آ کر ایک دو روز کے لیے لدھیانے ٹھہرا تھا، مگر افسوس کہ وہاں مجھے نقرس کی پھر شکایت ہو گئی۔ اس واسطے اسی شام لاہور چلا گیا۔ وہاں سے چند گھنٹے کا قیام کر کے سیال کوٹ چلا آیا، کیونکہ میرے بھائی صاحب کی علالت کی خبر آئی تھی۔ دوا کے متواتر استعمال سے نقرس کی شکایت رفع ہو گئی ہے۔ جالندھر میں مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں ٹھہرنے کا قصد تھا مگر نقرس کی شکایت نے مجھے رستے میں ٹھہرنے نہ دیا۔ اندیشہ تھا کہ اگر شکایت زیادہ ہو گئی تو مولوی صاحب کے لیے باعثِ زحمت بن جاؤں گا۔ اب اُن کی ملاقات کسی اور موقع کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔ ان شاء اللہ یہاں سیال کوٹ میں قریباً ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ ستمبر میں ممکن ہے پھر شملہ جاؤں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

---

[1] انسانی جسم میں ہڈیوں کے ۱۸۰ جوڑ ہیں۔ جن میں سے کچھ متحرک اور کچھ غیر متحرک ہیں۔ بڑے جوڑوں کے درد کو وجع المفاصل اور چھوٹے جوڑوں (انگلیوں، ٹخنوں وغیرہ) کے درد کو نقرس کہتے ہیں۔ یہ عموماً پاؤں کے انگوٹھے میں ہوتا ہے۔ (کنز المجربات، حکیم محمد عبداللہ، ص ۱۸۹)

[2] عِرق النسِاء ایک چوڑے پٹھے سیاٹک نرو (siatic nerve) اور اس کی حسّی شاخوں کا درد ہے۔ یہ سرین کے نیچے سے بیرونی ٹخنے کے پیچھے تک محسوس ہوتا ہے۔ یہ درد کبھی مستقل اور کبھی لہروں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ہوم ڈاکٹر، مرتب: حکیم مظفر حسین اعوان، ص ۳۸۵- ۳۸۶)

مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہو۔ آپ کی رُباعی اچھی ہے۔

۱۷/ اگست ۲۲ء محمد اقبال، لاہور

(۶۰)

لاہور، ۱۶/ دسمبر ۲۲ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ افسوس ہے میں علی گڑھ نہ جا سکوں گا۔ سردی کا موسم [ہے] اور مجھے اس موسم میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ علی گڑھ کانفرنس[1] ایک مدت سے مر چکی ہے۔ حبیب الرحمن خاں شروانی[2] اسے زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر:

پئے ناقہ ہائے رمیدہ بو، مپسند زحمتِ جستجو
بخیالِ حلقۂ زلفِ اُو، گرہے خور و بختن در آ[3]

محمدؐ اقبال

---

[1] علی گڑھ کانفرنس سے مراد آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس ہے جو ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد تعلیم کے ذریعے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ اس تحریک کے نتیجے میں مغربی تعلیم عام ہوئی۔ متعدد نامور مسلمان اس کانفرنس سے وابستہ رہے۔

[2] نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شروانی (۱۸۶۷ء- ۱۹۵۰ء) ایک کثیر الجہات شخصیت، عالمِ دین، محقق، نقاد اور شاعر تھے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی کے پہلے وائس چانسلر بنے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تیس سال (۱۹۲۱ء - ۱۹۵۰ء) تک سیکرٹری رہے۔ ریاست حیدر آباد کے صدر الصدور بھی رہے۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام اردو اور فارسی میں شائع ہوئے۔ غبارِ خاطر کے خطوط انھی کے نام ہیں۔ اقبال نامہ(اول) میں ان کے نام تین خطوط شامل ہیں۔ (مزید دیکھیے: حیات صدر یار جنگ : شمس تبریز خان)

[3] کلیات بیدل جلد اول۔ ص ۸۴- ترجمہ: وہ نافہ جس کی خوشبو اڑ چکی ہے، اس کی تلاش کی زحمت نہ اٹھا۔ اُس کے حلقۂ زلف کے خیال میں گرہ بن جا (اپنے آپ میں سمٹ جا) اور ختن چلا آ۔

(۶۱)

لاہور، ۱۹؍ دسمبر ۲۲ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

مالیر کوٹلے[1] کی ججی کے متعلق یہ عرض ہے کہ آپ ایک باقاعدہ عرضی لکھیں۔ نواب مالیر کوٹلہ سے مجھے بھی واقفیت ہے۔[2] میں اس پر سفارش لکھوں گا اور نواب صاحب سے بھی لکھوا دوں گا۔ اس کے علاوہ میر عبد اللہ شاہ صاحب[3]، نواب صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی میرے دوست اور ہم جماعت ہیں، اُن کی خدمت میں بھی خط لکھ دوں گا۔ عرضی لکھ کر آپ لاہور لے آئیں۔ ذوالفقار علی خاں صاحب سے نواب مالیر کوٹلہ کے مراسم بہت اعلیٰ درجے کے نہیں ہیں، تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی عرضی پر سفارش لکھنے سے دریغ نہ کریں گے اور اگر سفارش کے علاوہ پرائیویٹ خط بھی اُنھوں نے لکھ دیا تو ازیں چہ بہتر۔ تصویر

---

[1] ریاست مالیر کوٹلہ: ضلع لدھیانے اور پٹیالے کے درمیان ۱۶۰ مربع میل رقبے اور ۵۸ مواضعات پر مشتمل اس ریاست پر شروانی پٹھان حکمران رہے۔ (تذکرہ رؤساے پنجاب؛ ص۴۵۷، نیز: رؤسائے بااختیار و نامی خاندان، ص۱۵)

[2] انیسویں صدی کے شروع میں نواب عطاء اللہ خان ریاست مالیر کوٹلہ کے حکمران تھے۔ عہدِ اقبال میں نواب صاحب کے پڑپوتے ابراہیم علی خاں حکمران تھے۔ علامہ اقبال کے سسر ڈاکٹر حافظ عطا محمد ریاست مالیر کوٹلہ میں ۱۹۱۳ء - ۱۹۱۸ء تک سول سرجن رہے۔ اس توسط سے اقبال مالیر کوٹلہ آتے تھے۔ نیاز نے یہاں اقبال کی ججی کے لیے کوشش کی مگر بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ (یہ معلومات مالیر کوٹلہ سے محمد کفایت اللہ (م: ۱۹۹۹ء) نے ایک خط، محرّرہ ۹؍ اگست ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو فراہم کیں۔)

[3] میر عبد اللہ شاہ (م: ۱۹۵۲ء) انبالہ کے رہنے والے تھے۔ ایچی سن کالج میں نواب صاحب کے ہم جماعت رہے۔ بعد میں نواب احمد علی خاں کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ریاست کے چیف سیکرٹری بنے۔ اُس زمانے میں یہ عہدہ چیف منسٹر کے برابر تھا۔ گورنمنٹ کالج کے گریجویٹ تھے۔ غالباً اقبال سے وہیں مراسم بڑھے ہوں گے۔ (محمد کفایت اللہ کا مکتوبِ مذکور)

آپ کی خدمت میں مرسل ہے، مگر اس میں تامل ہے کہ اُسے کسی نمایاں جگہ پر لٹکایا جائے۔ میں بڑے بڑے مجمعوں میں محض اس لیے نہیں جایا کرتا کہ لوگ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ”وہ اقبال آیا“۔ مجھے اس قسم کی شہرت سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ باقی خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۶۲)

مکرمی جناب خاں صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط صبح مل گیا تھا۔ الحمد للہ کہ جناب کا مزاج بخیر و عافیت ہے۔ میں بھی خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ کل شام ہوائے سرد کی وجہ سے دردِ گردہ کا آغاز تھا، مگر میں نے فوراً تدابیر اختیار کر لیں اور خدا کے فضل و کرم سے تندرست رہا۔ رموزِ بے خودی کے ترجمے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں، مگر اُمید نہیں کہ اس کا ترجمہ یورپ میں ہو[1]، کہ اُس کے مضمون سے یورپ والوں کو چنداں دلچسپی نہیں ہے۔ مسلمان ہی اس کا مفہوم سمجھ جائیں تو غنیمت ہے۔ البتہ پیامِ مشرق کا ترجمہ ہونا ممکن ہے[2]، لیکن مجھے اس قدر فرصت نہیں کہ اُس کا ترجمہ کروں۔ اگر اُن کو اُس کی ضرورت محسوس ہوئی تو خود کر لیں گے۔ آپ کے اشعار خوب ہیں۔ مولوی گرامی صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ وہ ۲۰ مارچ تک لاہور آنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں، مگر اُمید نہیں کہ آئیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

---

[1] عہدِ اقبال میں کلامِ اقبال کے تراجم کی رفتار کم رہی مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوا۔ رموزِ بے خودی کا انگریزی منظوم ترجمہ پروفیسر اے جے آربری نے *The Mystries of Self- lessness* کے نام سے کیا جو ۱۹۵۳ء میں لندن سے شائع ہوا۔ (کتابیات اقبال: رفیع الدین ہاشمی، ص ۶۲)

[2] اُس زمانے میں تو پیامِ مشرق کا اردو ترجمہ نہ ہو سکا البتہ بعد میں اس کے متعدد ترجمے ہوئے۔ اُردو کے علاوہ انگریزی، عربی، ترکی، جرمن، فرانسیسی اور برعظیم کی بعض مقامی زبانوں میں بھی پیامِ مشرق کے تراجم ہو چکے ہیں۔

خادم

محمدؐ اقبال، لاہور

۱۲/ مارچ ۲۳ء

(۶۳)

لاہور، ۲۵/ مئی ۲۳ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط پہنچ گیا تھا۔ میں علیل تھا اور اب تک ہوں، اس واسطے جواب عرض نہ کر سکا۔ شیخ مبارک علی صاحب[1] مجھ سے نہیں ملے۔ وہ یہاں سے بہت دور ہیں۔ اگر وہ آ گئے تو میں اُن سے کہہ دوں گا کہ آپ کی خدمت میں کتاب[2] ارسال کر دیں۔ کتاب کو شائع ہوئے دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے[3] اور شاید نصف کے قریب نکل بھی گئی ہے۔ ایک ہزار کاپی شائع ہوئی تھی۔ آپ کا مضمون میں نے اخبار میں دیکھا۔ آپ کی تجویز خوب ہے[4]، مگر ابھی اس ملک کے لوگ ان اُمور کی شناخت نہیں رکھتے۔ مجھ سے بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ لاہور کی نیابت، کونسل میں کرو لیکن اور اُمیدوار بھی ہیں اور میں یہ بات خلافِ انصاف تصور کرتا ہوں کہ اُن سے کہوں کہ تم میری خاطر اُمیدواری سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ وعدۂ امداد کے لیے

---

[1] لاہور میں کتابوں کے مشہور ناشر اور تاجر، اقبال کی تصانیف کا طباعتی اہتمام بالعموم وہی کرتے تھے۔

[2] پیامِ مشرق مراد ہے۔

[3] مہاراجا کشن پرشاد نے اقبال کے نام اپنے خط محرّرہ ۱۴ مئی ۱۹۲۳ء میں پیامِ مشرق پر تبصرہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اشاعت ۹، ۱۰ مئی کے لگ بھگ ہوئی۔

[4] نیاز کے فرزند خان نفیس الدین خاں نے ایک ملاقات (۹ جولائی ۱۹۹۲ء) میں راقم الحروف کو بتایا کہ اقبال کے دوستوں نے طے کیا کہ اقبال کو فکر معاش سے آزاد کر دیا جائے۔ انھوں نے ایک امدادی فنڈ قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ نیاز نے مسلم آؤٹ لک میں ایک مضمون بعنوان *Iqbal and His Times* دو قسطوں میں شائع کرایا۔ مرزا جلال الدین نے بھی ایک تائیدی مضمون لکھا مگر اقبال نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور یہ اسکیم ختم ہو گئی۔

شکر گزار ہوں مگر غالباً میں کھڑا نہ ہوں گا۔ ہاں اگر لاہور کے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ بوجھ[1] سر پر اُٹھانا ہو گا۔ گرامی صاحب کا ایک عرصے سے کوئی خط نہیں آیا۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ میرا مسوڑا پھول گیا تھا، آپریشن کرایا گیا، جس سے تکلیف میں اضافہ ہوا۔ اب کچھ آرام ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(۶۴)

لاہور، ۲۵/ جون ۲۳ء

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

آپ کے مضمون کا دوسرا حصہ[2] مسلم آؤٹ لک[3] میں شائع ہو گیا ہے۔ آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا۔ مرزا جلال الدین صاحب[4] نے بھی اس کے متعلق کچھ لکھا ہے، جو

---

[1] ۱۹۲۳ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات ہونے والے تھے۔ دوستوں نے اقبال کو مجبور کیا کہ وہ انتخاب لڑیں مگر: "اقبال کی مروّت نے گوارانہ کیا کہ وہ میاں عبد العزیز کے مقابلے میں کھڑے ہو کر انھیں آزردہ کریں"۔ (اقبال کا سیاسی کارنامہ: محمد احمد خاں، ص۱۳۶) اگلے الیکشن (۱۹۲۶ء) میں میاں عبد العزیز کی مروّت غالب آئی اور وہ اقبال کے حق میں دستبردار ہو گئے اور اقبال نے یہ الیکشن جیت لیا۔

[2] دیکھیے: خط ۶۳، حاشیہ ۴

[3] رفاہِ عامہ پریس کے مالک عبد الحق نے انگریزی روزنامہ مسلم آؤٹ لک ۱۹۲۳ء میں لاہور سے جاری کیا۔ مسلمانوں کے اتحاد کا داعی اور ترجمان، یہ اخبار برعظیم میں مسلمانوں کا پہلا انگریزی روزنامہ تھا۔ ہندوؤں کے روزنامہ ٹریبیون سے اس کی معاصرانہ چشمک رہتی تھی۔ مسلم آؤٹ لک ۱۹۳۲ء میں بند ہو گیا۔ (پنجاب میں اردو اخبار نویسی: مسکین علی حجازی، ص۱۱۷)

[4] مرزا جلال الدین، اقبال کے انتہائی قریبی اور بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ ایک زمانے میں اقبال، مرزا جلال الدین اور نواب ذوالفقار ہم راز اور ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ ہائی کورٹ کی مصروفیات سے فارغ ہو کر مرزا صاحب کی کوٹھی پر تقریباً روزانہ اکٹھے ہوتے۔ دوست انھیں trito یعنی اصحاب ثلاثہ

میں نے نہیں دیکھا۔ وہ ذکر کرتے تھے کہ مسلم آؤٹ لک میں شائع ہو گا۔ آپ کے دوست ضرور آپ کے ہم خیال ہوں گے مگر اقبال فنڈ قائم کرنا میری رائے میں، جس میں، میرے ضمیر کی آواز بھی شامل ہے، درست نہیں۔ مسلمان غریب قوم ہیں [کذا] اور باوجود اس غریبی کے گذشتہ دس بارہ سال میں ایک کروڑ روپے سے زیادہ چندوں میں دے چکی ہے۔[۱]

میں خود تو یہاں تک احتیاط کرتا ہوں کہ جو لوگ کتاب کو پڑھ نہیں سکتے، وہ اُسے خرید بھی نہ کریں، کیونکہ اُن کو اس کی خریداری کی ترغیب دینا ایک قسم کی ناانصافی ہے۔ باقی رہا میں، سو میری طرح اُمتِ مرحومہ میں سیکڑوں آدمی آگے گزر گئے ہیں جنھوں نے رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے کام کیا ہے۔ مجھ سے بھی جہاں تک ہو سکے گا، اُنھی کی تقلید کروں گا۔

شاید آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھ سے کونسل کی اُمیدواری کے متعلق دریافت کیا تھا، سو عرض ہے کہ لاہور کے مسلمانوں نے مجھ سے بہت کہا مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب تک ان کا اصرار بدستور جاری ہے۔ قریباً ہر روز اُن کا ایک نہ ایک وفد آجاتا ہے۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

کے نام سے یاد کرتے۔ مظفر حسین برنی نے کلیات مکاتیبِ اقبال: جلد دوم، ص۴۰۲ میں حسبِ ذیل رباعی درج کی ہے مگر حوالہ ندارد:

ماہ و شب ، ماہ و آفتاب ست و سحر
اقبال و جلال و ذوالفقار و اصغر
یک جذبہ و یک ضمیر و یک دل و یک جاں
در چشمِ ستارہ چار یار اند مگر

یہاں اصغر سے مراد شیخ اصغر علی ہیں۔ (مزید دیکھیے: مرزا جلال الدین کا مضمون "میرا اقبال" مشمولہ: ملفوظات اقبال: [مرتب: محمود نظامی] ص۸۲- ۱۰۵ نیز روایات اقبال: ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ص۱۰۸)

۱ دیکھیے: خط۶۳، حاشیہ ۵

(۶۵)

۲۰؍ جولائی ۲۳ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط صبح آیا تھا۔ کچہری سے واپس آکر اُسے پڑھا۔ غالباً میں الیکشن کے ہنگامے میں نہ پڑوں گا۔ لاہور کے لوگ مجبور کرتے ہیں اور بہت سے ڈیپوٹیشن اُن کے آچکے ہیں، مگر میاں عبد العزیز سے مقابلہ کرنا میں نہیں چاہتا۔ اُن سے دیرنیہ تعلقات ہیں۔[۱] اگرچہ مقابلے کے بعد انتخاب ہو جانا قریباً یقینی ہے، تاہم یہ بات میرے نزدیک مروّت کے خلاف ہے کہ ایک موہوم دنیوی فائدے کی خاطر دیرینہ تعلقات کو نظر انداز کر دوں۔[۲]

پیامِ مشرق کے متعلق بہت سے خطوط دور و نزدیک سے آئے ہیں اور آرہے ہیں۔ برلن سے ایک پروفیسر نے لکھا ہے کہ ''حیرت انگیز'' کتاب ہے۔ پروفیسر ہارو ویٹز،[۳] جو علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر تھے اور اب جرمنی میں اس پر ریویو لکھ رہے ہیں جو جرمن اخبارات میں شائع ہو گا۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا

---

۱ دیکھیے: خط ۳۳، حاشیہ ۴

۲ دیکھیے: خط ۶۳، حاشیہ ۵

۳ جوزف ہارو ویٹز (Joseph Horovitz ۱۸۷۴ء - ۱۹۳۱ء) معروف مستشرق تھے۔ برلن یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۷ء میں علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں فرنک فورٹ یونی ورسٹی سے منسلک ہو گئے۔ قیام علی گڑھ کے دوران میں حکومت ہند نے انھیں آثار قدیمہ کے عربی، فارسی کے کتبات کا نگراں بنا دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بڑی محنت سے عربی کتبات کے متن کا تعین کیا، ان کا انگریزی ترجمہ کیا۔ الطبقات الکبری' ابن سعد کی پہلی دو جلدیں بھی مرتب کیں۔ مسلمانوں کی جدوجہد آزادی سے دلچسپی رکھتے تھے۔ انھیں انگریز حکومت نے نظر بند بھی کیا۔ مزید دیکھیے: ناموران علی گڑھ، ص ۳۱- ۴۲، دوم، مشمولہ: ماہنامہ فکر و نظر، مارچ ۱۹۹۱ء، نیز: کلیات مکاتیب اقبال، دوم، ص ۱۰۸۹-۱۰۸۸)

ہے[۱]۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک قابلِ تحسین جواب گوئٹے کے دیوان مغربی کا ہے اور جدید اور اور جنل خیالات وافکار سے لبریز ہے۔

میں یہ سُن کر خوش ہوا کہ اس کے اثر سے آپ پر اشعار نازل ہوئے ہیں۔ مثنوی کے تیسرے حصے کے لیے دل و دماغ تیار ہو رہے ہیں۔ تکمیل اس کام کی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا عجب کہ اپنے حبیب پاک کے صدقے میں ان مضامین کو معرضِ شہود میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مثنوی کے تیسرے حصے میں مسلمانوں کے آیندہ سو سال کے افکار و اعمال کے لیے مواد ہو گا۔[۲]

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

---

۱ نکلسن اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکے۔

۲ رموزِ بے خودی کی تکمیل کے ساتھ ہی اقبال کے ذہن میں مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ مولانا گرامی کو ایک خط محرّرہ یکم جولائی ۱۹۱۷ء میں لکھتے ہیں: ”اب تیسرا حصہ ذہن میں آ رہا ہے اور مضامین، دریا کی طرح امڈے چلے آ رہے ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ کس کس کو نوٹ کروں۔ اس حصے کا نام ہو گا: حیاتِ مستقبلہ اسلامیہ یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آیندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے“۔ (مکاتیب بنام گرامی، ص۱۲۴) ۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ”مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دو شعر یاد آتے ہیں“۔ (اقبال نامہ، دوم، ص۵۷) مگر تیسرا حصہ لکھنے کا یہ عزم پورا نہ ہو سکا۔ درج ذیل دو شعر اکبر الٰہ آبادی کو لکھے تھے جو بعد میں پیامِ مشرق میں شامل کر دیے:

دو جہاں مانندِ جوے کوہسار
از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیل بے زنہار خیز
فارغ از پست و بلندِ راہ شو

(پیامِ مشرق، ص۲۲۱)

(۶۶)

مکرم بندہ جناب خاں صاحب! السلام علیکم

میں نے جو کچھ آپ کو خط میں لکھا تھا، وہ پرائیویٹ خطوط کا اقتباس تھا۔[۱] یورپین لوگوں کے نزدیک پرائیویٹ خطوط یا اُن کا اقتباس، بغیر اُن کی اجازت کے، چھاپنا ٹھیک نہیں۔ اس کے علاوہ اُس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فرنک فورٹ کے پروفیسر ہارووِیٹز[۲] کا ریویو عنقریب ہندوستان آئے گا۔ وہ غالباً خود ہی اس ریویو کی ایک کاپی میرے ملاحظہ کے لیے ارسال کریں گے۔ اس کا انگریزی ترجمہ کرا کے یہاں شائع کر دیا جائے گا۔

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۸ کا مسلم آؤٹ لک ملاحظہ کیجیے۔[۳]

۲۸/ جولائی ۲۳ء

لاہور میں موسم اچھا رہا۔ آج قدرے گرمی ہے۔ میں کل سیالکوٹ جاتا ہوں [کذا]۔ وہاں سے واپس آ کر اگر ممکن ہوا تو شملہ جاؤں گا۔

محمدؐ اقبال

(۶۷)

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

---

[۱] علامہ اقبال نے نیاز کو کسی دوست کے خط کا اقتباس لکھ بھیجا تھا۔ نیاز اُسے حوالے کے طور پر شائع کرنا چاہتے تھے لیکن اقبال کے خیال میں یہ مناسب نہ تھا۔

[۲] دیکھیے: خط ۶۵، تعلیقہ ۳

[۳] مسلم آؤٹ لک کا متعلقہ شمارہ دستیاب نہ ہو سکا، اس لیے اس کے مندرجات کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں سیالکوٹ سے آرہا ہوں۔ اب ایک دو روز میں شملہ جارہا ہوں۔ جواب لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو پہلے ہی اس تحریک کا مخالف تھا۔[1] اُن خطوط سے جو مسلم آؤٹ لک میں شائع ہوئے ہیں، مجھے اچھی طرح سے معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں:

نا امید استم ز یارانِ قدیم
طورِ من سوزد کہ می آید کلیم[2]

والسلام
محمدؐ اقبال، لاہور
۲/ اگست، ۲۳ء

اُمید کہ آپ کا بخار اُتر گیا ہو گا۔
محمدؐ اقبال

(۶۸)

مخدومی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے۔ افسوس ہے کہ امسال کہیں نہیں جاسکا۔ اگست کے شروع میں میری بیوی کو ٹائی فائڈ فیور ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ شروع ستمبر تک بیمار رہیں۔ اگرچہ اب بخار نہیں، تاہم صحت ابھی تک درست نہیں ہوئی۔ نواب صاحب کا خط میں نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کا خط بھی اُمید ہے نظر سے گزرے گا۔ پیامِ مشرق

---

[1] مسلم آؤٹ لک میں نیاز نے اقبال فنڈ کے قیام کے لیے جو مضمون لکھا کسی شخص نے اس تجویز کے خلاف مضمون لکھ دیا۔ نیاز اس کا جواب لکھنا چاہتے تھے لیکن اقبال نے منع کر دیا۔

[2] ترجمہ: میں پرانے دوستوں سے نا امید ہو چکا ہوں۔ میرا طور جل رہا ہے کہ کوئی کلیم آئے۔ اسرار و رموز، ص ۷۔ اقبال کے دست نوشت خط میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: ”طورِ من می سوزد کہ می آید کلیم“۔ اقبال ”من“ کے بعد ”می“ کو قلم زد کرنا بھول گئے۔

کی دوسری اڈیشن تیار ہو رہی ہے۔[1] اس میں بہت سا اضافہ ہو جائے گا۔[2] اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

۱۰/ ستمبر ۲۳ء محمد اقبال، لاہور

(۶۹)

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں خدا کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

نواب صاحب سے آپ کی تحریروں کے متعلق میرا کوئی ذکر نہیں آیا۔ لوگوں کو ان باتوں کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں اور نہ وہ اس کام کو فی الحال سمجھ سکتے ہیں، جو میں نے کیا ہے، اس واسطے ان کو معذور سمجھ کر میں خاموش ہوں اور کسی ایسی تحریک میں کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔[3] اُمید کہ آپ کنج پورہ میں کوئی مفید کام کر سکیں گے۔ نواب کنج پورہ نہایت نیک نفس آدمی ہیں۔ اُن سے آپ کا نباہ بھی خوب ہو گا۔[4] والسلام۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۰/ جنوری ۲۴ء

---

[1] پیامِ مشرق کا پہلا اڈیشن ۱۹۲۳ء کے پہلے ہفتے میں، جبکہ دوسرا اڈیشن مارچ ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتے میں منظرِ عام پر آیا۔ (تصانیف: ص ۱۳۳)

[2] پیامِ مشرق کا پہلا اڈیشن ۱۹۲۳ء میں چھپا تھا، دوسرا اڈیشن مارچ ۱۹۲۴ء کے اواخر میں کچھ ترامیم، محذوفات اور اضافوں کے ساتھ منصہ شہود پر آیا۔ (محذوفات و اضافات کے لیے دیکھیے: تصانیف، ص ۱۳۴ - ۱۳۸)

[3] مسلم آؤٹ لک میں نیاز کے مضمون Iqbal and His Times کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں اقبال نے خط ۶۴ میں بیان کردہ اپنے موقف کو دہرایا ہے۔

[4] نیاز الدین ریاست کنج پورہ کے منیجر بن کر وہاں جا رہے تھے۔

(۷۰)

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ مع الخیر کنج پورہ پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ علی گڑھ جانے کا قصد تو تھا مگر سردی اور متواتر بارش کی وجہ سے کمر میں درد ہونے لگی۔ یُورک ایسڈ کے دور کرنے کی دوائی پی رہا ہوں، اس اندیشے سے کہ گوٹ[1] کا حملہ نہ ہو جائے۔

پیامِ مشرق چھپ رہا ہے۔ مجموعۂ اردو مرتب ہو چکا ہے۔[2] دو تین روز تک کاتب کے ہاتھ میں ہو گا۔ حکما کے اسما اچھی طرح پڑھے نہیں گئے۔ اگر یہ فلسفیوں کے نام ہیں تو ان میں اکثر غیر معروف ہیں۔ میں صرف چند نام پڑھ سکا ہوں۔

1. Bain مشہور سائی کالوجسٹ ہے مگر اب اُس کو شاید کوئی نہیں پڑھتا۔[3] ب ی ن

2. Buchner بھی فلسفے میں یکتا ہے مگر بہت مشہور اساتذہ میں نہیں سمجھا گیا۔[4] ب خ ن ر

---

[1] علامہ اقبال نقرس (گاؤٹ Gout) یعنی جوڑوں کے درد میں مبتلا تھے۔ بالعموم یہ مرض یورک ایسڈ کے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کے نتیجے میں لاحق ہوتا ہے۔ یورک ایسڈ نائٹروجنی مرکبات پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں گردے خون سے الگ کر دیتے ہیں اور پانی سے ملا کر پیشاب کی شکل میں جسم سے خارج کیے جاتے ہیں۔

[2] بانگ درا مراد ہے۔ اس کا مسودہ فروری ۱۹۲۴ء میں کاتب کے حوالے کیا گیا اور طباعت کے مراحل سے گزر کر ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو منصہ شہود پر آیا (تصانیف، ص ۲۳)

[3] الیگزینڈر بین (Alexander Bain) (۱۸۱۸ء۔۱۹۰۳ء) جرمن محقق، فلسفی اور ماہر نفسیات۔ ابرڈن یونی ورسٹی میں بیس سال تک منطق اور انگریزی ادب کی تدریس کی، عصبی نظام پر تحقیق کی، ہیلتھ بورڈ کا سیکرٹری رہا۔ منطق اور نفسیات پر اس کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ (برٹانیکا جلد ۴، ص ۳۷۸-۳۷۹)

[4] لڈوز بخنر Ludwiz Buchner (۱۸۲۴ء۔۱۸۹۹ء) اس نام کے کئی جرمن مفکر اقبال کے ہم عصر تھے لیکن اقبال نے جس بخنر کا ذکر کیا ہے وہ مشہور فزیشن اور فلسفی لڈوز بخنر تھا۔ اس نے کائنات کی مادی تعبیر سے آزاد خیالی کو رواج دیا۔ *Force and Matter* اس کی مشہور کتاب ہے۔

3. Gieger مستشرق ہے جس نے زیادہ تر ایرانی تہذیب و زبان پر لکھا ہے ممکن ہے[1] کوئی اور شخص ہو۔

4. Physiology علمِ اعضائے انسانی۔

والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

۱۱/ فروری ۲۴ء

آپ کا مصرع بہت اچھا ہے۔

محمدؐ اقبال

(۷۱)

لدھیانہ، ۲۲/ اپریل ۲۴ء

مخدومی ! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ لاہور میں طاعون کا زور ہے۔[2] میں چند دنوں سے مع عیال لدھیانے میں مقیم ہوں۔ دو چار روز میں واپس لاہور جاؤں گا۔

(نیو انسائیکلوپیڈیا جلد ۲، ص ۳۳۶، ۳۳۷)

[1] جیجر (Geiger) نام کے بھی کئی جرمن مفکر گزرے ہیں مگر اقبال نے غالباً یہاں عالمِ دین، متکلم اور یہودی مصلح ابراہم جیجر کا ذکر کیا ہے۔ مزید دیکھیے: برٹانیکا، جلد ۵، ص ۱۶۵-

[2] ان دنوں لاہور میں طاعون کی وبا زوروں پر تھی۔ روزنامہ زمیندار ۹/ اپریل ۱۹۲۴ء کی رپورٹ کے مطابق ماہِ مارچ ۱۹۲۴ء میں ۲۹ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اپریل میں اور زیادہ ہلاکتوں کا اندیشہ ظاہر کیا گیا۔ اس کے برعکس پیسہ اخبار ۲۴/ اپریل کے مطابق آخر اپریل میں وبا کی شدت کم ہو چکی تھی۔ اخبار کے مطابق ۱۹۰۴ء میں تین ماہ میں ایک لاکھ افراد طاعون کا شکار ہوئے جب کہ اس دفعہ اس کا صرف ایک چوتھائی فوت ہوئے۔ (روزنامہ زمیندار: ۹/ اپریل ۱۹۲۴ء، نیز، پیسہ اخبار: ۲۴/ اپریل ۱۹۲۴ء)

قلندر صاحب[1] بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ اُن کے عرس پر روپیا صرف کرنا اور مسکینوں کو کھانا کھلانا بڑی برکت کا باعث ہے۔ اُمید کہ آپ کو اپنے نئے ماحول میں کبھی کبھی پرائیویٹ مشاغل کے لیے فراغت مل جاتی ہو گی۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۷۲)

لاہور، [۱۲][2] جولائی ۲۴ء

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

---

[1] بو علی قلندر پانی پتی (۱۲۰۸ء - ۱۳۲۴) کا اصل نام شرف الدین تھا۔ ہندوستان کے مجذوب اولیا میں سے تھے۔ اقبال ان کے عقیدت مند تھے اور ان کے مزار پر حاضری بھی دی اور والد کی ہدایت پر ان کی مثنوی کی طرز پر مثنوی لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ (شاہکار اسلامی انسائی کلو پیڈیا، ص۴۲۲، نیز اقبال اور فارسی شعرا: ڈاکٹر محمد ریاض، نیز حضرت بو علی قلندر: اقبال صلاح الدین)

[2] طبع اوّل میں اس خط پر درج تاریخ (۱۳ جولائی ۱۹۲۴ء) غلط ہے۔ اقبال کے دست نوشت خط میں کوئی تاریخ نہیں ہے، بلکہ کسی اور شخص کے قلم سے ۲۴/۷/۱۳ درج ہے۔ غالباً مکتوب الیہ کو یہ خط ۱۳/ جولائی ۲۴ء کو موصول ہوا، اور یہ موصولہ تاریخ لکھ دی گئی۔ ۱۳ جولائی کو شیخ عطا محمد کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "رات بارش ہوئی۔ موسم خنک ہو گیا ابھی مطلع ابر آلود ہے۔ اُمید ہے اور برسے گا" (مظلوم اقبال، ص۳۴۳)

نیاز کے نام اس خط میں نیاز کو لکھا: "آج کل گرمی سخت ہے۔ بارش مطلق نہیں ہوئی" شیخ عطا محمد کو ۱۳ جولائی کے محررہ، خط میں لکھا: "مسوڑے کے پھول جانے سے اب کے بہت تکلیف ہوئی، آخر چیرا ہی دلانا پڑا۔ پرسوں [گیارہ جولائی] سے بالکل آرام ہے"۔ (مظلوم اقبال، ص۳۴۳) نیاز کے نام اس خط میں لکھتے ہیں: "مسوڑا پھول گیا تھا جس کو کل [گیارہ جولائی] چیروا دیا گیا۔ اب خدا کے فضل سے آرام ہے"۔ بارش کے بارے میں اطلاع کے علاوہ "کل" اور "پرسوں" کے الفاظ سے تاریخ کا تعین ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نیاز کے نام یہ خط ۱۲ جولائی کو لکھا گیا۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میں کئی روز تک بیمار رہا۔ مسوڑا پھول گیا تھا جس کو کل چروا دیا گیا۔ اب خدا کے فضل سے آرام ہے۔ مگر گذشتہ ہفتے سخت تکلیف رہی۔

اُردو مجموعہ چھپ گیا ہے۔ قریباً دو ہفتہ تک بالکل تیار ہو جائے گا۔ شیخ عبدالقادر صاحب اس کا دیباچہ لکھ رہے ہیں۔ جو کل انشاءاللہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی لکھائی چھپائی میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔[1] میں بھی اگست میں شملہ جانے کا قصد کر رہا ہوں۔

آج کل گرمی سخت ہے۔ بارش مطلق نہیں ہوئی۔ فکر سخن کے لیے یہ موسم نہایت خراب ہے۔ تاہم کبھی کبھی شبنم کی کوئی نہ کوئی بوند برس جاتی ہے۔ ایک چھوٹی سی کتاب لکھ رہا ہوں، جس کا نام غالباً یہ ہو گا:[2] Songs of Modern David

نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال

(۷۳)

لاہور، ۲۹/ نومبر ۲۴ء

جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ نواب صاحب[3] کے صفاتِ ستودہ کا میں مدت سے قائل ہوں، خاص کر اُن کی دین داری اور اسلامیت کا۔ اُن کے کام کے لیے میں دل و جان سے حاضر ہوں اور اپنی بساط کے مطابق اُن کے حقوق کے حصول کے

---

[1] متنِ کلام تو مکمل ہو گیا مگر دیباچے کی کتابت طباعت میں کئی ہفتے لگ گئے اور بانگ درا کا پہلا اڈیشن ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو منظرِ عام پر آیا۔ (تصانیف، ص ۲۳)

[2] یہ اقبال کی موعودہ تصنیف ہے۔ قیاس کیا جاتا رہا کہ اس سے مراد زبورِ عجم ہے مگر فارسی کتاب کا انگریزی نام تجویز کرنا عجیب سا لگتا ہے۔

[3] ریاست کنج پورہ کے نواب ابراہیم علی خاں مراد ہیں۔

لیے ان شاء اللہ پوری کوشش عمل میں لاؤں گا۔ میری طرف سے اُن کی خدمت میں عرض کر دیں کہ میری خدمات اُن کے لیے حاضر ہیں۔ میں خود ہی گورنر صاحب[1] کی خدمت میں اُن کا میموریل[2] پیش کر دوں گا (اگر اُن کی ایسی خواہش ہو)۔ موجودہ گورنر کو میں جانتا بھی ہوں اور اس کے علاوہ میرے پرانے دوست اور اُستاد مسٹر آرنلڈ[3] کے وہ نہایت گہرے دوست ہیں۔ غرض کہ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔ باقی رہا فیس کا معاملہ، سو اُس کے متعلق فکر کرنے کی ایسی ضرورت نہیں۔ اوّل تو مجھے اس وقت معلوم نہیں کہ کام کی نوعیت اور مقدار کیا ہے۔ دوم: اگر یہ اُمور معلوم بھی ہوں تو خدانخواستہ یہاں دکان داری نہیں، خلوص اور خدمت ہے۔ نواب صاحب خود بفضلہ نکتہ رس ہیں اور آپ بھی تجربہ کار آدمی ہیں۔ معاملات کی اہمیت کا اندازہ کرنا جانتے ہیں۔ مجھے اس معاملے میں عرض کرنے کی کوئی

---

[1] سر ولیم میلکم ہیلے (Sir William Malcom Halley، ۱۸۷۲ء۔ ۱۹۳۴ء) ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۸ء تک پنجاب اور ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۴ء تک یوپی کے گورنر رہے۔ اقبال کے دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے اقبال کو چائے پر بلایا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر نقی علی نے اقبال کا شعر خوش خط لکھ کر گورنر کو پیش کیا۔ شعر یہ تھا:

پنجاب کی کشتی کو دیا اُس نے سہارا
تابندہ ہمیشہ رہے ہیلے کا ستارا

[2] انگریز حکومت نے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کے اختیارات کم کر دیے تھے۔ ریاستوں کے حکمران، اختیارات و مراعات کی بازیابی کے لیے میموریل کی شکل میں حکومتِ وقت سے درخواست کرتے رہتے تھے۔ یوں تو ریاست کنج پورہ کے لیے مراعات کا میموریل کسی بھی وکیل کے ذریعے پیش کیا جا سکتا تھا مگر نواب صاحب کنج پورہ، گورنر سے اقبال کے تعلقات کے پیشِ نظر چاہتے تھے کہ یہ میموریل علامہ اقبال پیش کریں۔

[3] سر تھامس واکر آرنلڈ (Sir Thomas Walker Arnold، ۱۸۶۴ء۔ ۱۹۳۰ء) انگریزی، جرمنی، فارسی، عربی، اطالوی اور سنسکرت زبانوں میں دسترس رکھتے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے پروفیسر رہے۔ اقبال نے ایم اے میں فلسفہ انھی سے پڑھا۔ بانگ درا کی نظم "نالۂ فراق" انھی کے بارے میں ہے۔ (مزید دیکھیے: اقبال یورپ میں: سعید اختر درانی، ص ۱۷۔ ۳۴)

ضرورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کے خیال میں جو کچھ فیس اس خدمت کے لیے ماڈریٹ ہوگی، وہی میرے خیال میں بھی ماڈریٹ ہوگی۔ آپ اگر لاہور تشریف لائیں تو مجھے کام کی مقدار اور نوعیت سے آگاہ فرمائیں۔

میں مع سر ذوالفقار علی خاں آج شام کرنال جا رہا ہوں۔ دو ایک روز وہاں قیام رہے گا۔ ممکن ہے آپ سے یا نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے۔ والسلام

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ نواب صاحب کی خدمت میں آداب عرض ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۷۴)

لاہور، ۲۳/ دسمبر ۲۴ء

مخدومی جناب خاں صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا۔ مگر افسوس کہ میں بوجہ مشاغل خط نہ لکھ سکا۔[۱]

نواب صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے کہ میموریل لکھنے کے [لیے] حاضر ہوں۔ مگر آپ مہربانی کر کے تمام کاغذاتِ متعلقہ لاہور لے آویں تا کہ کام کی کیفیت و کمیت کا اندازہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ان کو پڑھ کر اور سمجھ کر یہ رائے بھی لگا سکوں کہ آیا اس میں کامیابی کی توقع ہے یا نہیں۔ کیونکہ میرا فرض ہے کہ اس بارے میں بھی نواب صاحب کو، پیشتر لکھنے کے، رائے دے سکوں۔[۲]

---

۱ اقبال کی زندگی کا یہ زمانہ غیر معمولی پریشانی کا تھا۔ زیرِ نظر خط سے ایک روز قبل شاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ”اس عرصے میں بہت آلام و مصائب کا شکار رہا۔ بیوی کا انتقال ہو گیا جس سے قلب اب تک پریشان ہے۔“ (اقبال بنام شاد، ص ۲۸۰)۔ یاد رہے کہ اقبال کی لدھیانے والی بیوی، مختار بیگم ۲۱/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو انتقال کر گئی تھیں۔

۲ اقبال چاہتے تھے کہ گورنر سے تعلقات کے پیشِ نظر میموریل کی کامیابی کے ضمن میں نواب صاحب

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ نواب صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے۔ میں تعطیلوں میں لاہور ہی میں رہوں گا۔ والسلام

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۵)

لاہور، ۲۰/ جنوری ۲۵ء

مکرمی جناب خان صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔

میموریل کے لیے ضروری [ہے] کہ تمام سامان کافی ہو، ورنہ میموریل لکھنا فضول ہے۔ آپ کو نظام کا معاملۂ برار جو ابھی تازہ ہے،[1] یاد ہو گا۔ اتنے سامان کے ہوتے ہوئے بھی ٹکا سا جواب ملا۔ گو ہمارے نواب صاحب کے معاملے کو برار کے معاملے سے چنداں مناسبت نہیں، تاہم پوری تیاری کرنی ہو گی۔ یہ دقت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ اور ریاستیں بھی جن کے اختیارات چھین لیے گئے تھے، اس معاملے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُمراے ہند کے متعلق اس وقت خیالات بھی اچھے نہیں ہیں۔ غرض کہ موجودہ حالات میں پوری تیاری کرنی چاہیے اور اگر کامیابی کی اُمید موجودہ مسالے سے نہ ہو تو انکار کرنا بہتر ہو گا۔

کچھ زیادہ توقعات وابستہ نہ کریں، اور ناکامی کی صورت میں انھیں مایوسی نہ ہو۔ یہ جملے اقبال کی شخصیت کا کھرا پن ظاہر کرتے ہیں۔

[1] صوبہ برار، ریاست حیدر آباد دکن کا حصہ تھا۔ انگریزوں نے طے کیا کہ ریاست انگریز فوج اور ایک ریزیڈنٹ ریاست میں مقیم رہے گا اور ان کے اخراجات ریاست ادا کرے گی اس طرح یہ صوبہ اخراجات پورے کرنے کے لیے ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کیا گیا۔ بعد میں نظام دکن نے کئی بار برار پر اپنا استحقاق جتلایا مگر یہ صوبہ واپس نہ مل سکا۔ (دیکھیے دائرہ معارف، جلد ۴، ص ۲۶۸، جلد ۵، ص ۸۲۶)

پیر زادہ صاحب[1] کی مثنوی کا حال مجھے معلوم ہے۔ مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے۔ وہ عربیت کے تخیلات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ مجھے یقین ہے اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو غالباً اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائقِ اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔

اسلام نہایت سادہ مذہب ہے۔ لیکن اُس کی بدیہیات[2] کے اندر ایسی ایسی مشکلات ہیں جن کی حقیقت کا سمجھنا آسان کام نہیں۔ خاص کر اُن لوگوں کے لیے جن کو عجمی "بلند خیالی" کے افسوں نے محسوس فراموش کر دیا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

جناب نواب صاحب بہادر کی خدمت میں آداب عرض ہو۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۷۶)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ بہ ہمہ وجوہ مع الخیر ہیں۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں۔ تعطیل لاہور ہی میں بسر کی۔

---

۱ پیر زادہ مظفر احمد فضلی (۱۸۵۷ء۔۱۹۳۰ء) کا تعلق شاہ اسمٰعیل شہید کے خانوادے سے تھا۔ ڈپٹی کلکٹر رہے۔ انھوں نے اسرار خودی کی تردید میں ایک منظوم مثنوی موسوم بہ راز بے خودی لکھی تھی۔

(دیکھیے: نقوش اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۴۳، ۱۳۸، مزید دیکھیے: مجلہ اقبال، اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۴۵)

۲ بدیہیات سے مراد وہ مسلّمہ امور ہیں جو بہت واضح ہیں، مگر ان کی ایسی تعبیریں کی جاتی ہیں کہ بسا اوقات ان کی اصل حقیقت طرح طرح کی عجمی موشگافیوں کی وجہ سے ابہام کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ عجمی نزاکتِ فکر نے حواسِ خمسہ کی گرفت میں آنے والی چیزوں کو بھی فراموش کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔

نواب صاحب[1] کو بہ نسبت سابقہ آرام ہے مگر ابھی پورے طور پر صحت بحال نہیں ہوئی۔ بہت کمزوری ہے۔ یکم اکتوبر کو شملے سے دہلی جائیں گے اور وہیں قیام کریں گے۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

مولانا گرامی صاحب کی خدمت میں آداب۔ مخلص

۲۹/ ستمبر ۲۵ء محمدؐ اقبال

(۷۷)

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

حال کے فارسی شعرا کی کتب مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں اور قیمتیں بہت گراں۔ بھنڈی بازار بمبئ میں ملک التجار ایرانی کی مشہور دکان ہے۔ وہاں سے شاید دستیاب ہو جائیں۔

ملک الشعرا بہار قزوینی یا مشہدی[2] کا دیوان چھپ گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے حال میں ایک اور مجموعہ اردی بہشت نام [کا] دیکھا ہے۔ یہ گورنمنٹ کالج کی لائبریری میں موجود ہے۔[3] پروفیسر براؤن کی کتاب *Press and Poetry of Persia* میں بھی بہت سے نمونے شعرائے حال کے کلام کے موجود ہیں،[4] مگر زمانۂ حال کے ایران کی نثر پڑھنے کے قابل ہے۔ نظم میں کچھ نہیں۔ زیادہ تر پولیٹیکل مضامین پر وہ لوگ لکھتے ہیں۔ والسلام

---

[1] نواب ذوالفقار علی خاں مراد ہیں، جو ان دنوں علیل تھے۔

[2] بہار قزوینی مشہدی (م: ۱۹۵۱ء) اعلیٰ پائے کے شاعر، نثر نگار اور صحافی تھے۔ انقلابی خیالات کی وجہ سے تہران بدر ہوئے۔ قصائد، غزلیات اور مثنویات پر مشتمل ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ (دائرہ معارف جلد ۵، ص ۱۱۲- ۱۱۳)

[3] اب یہ مجموعہ گورنمنٹ کالج لاہور کی لائبریری میں موجود نہیں ہے۔

[4] پروفیسر ای جی براؤن(Edward G. Browne، ۱۸۶۲ء - ۱۹۲۶ء) کا شمار صفِ اوّل کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ وہ کیمبرج یونی ورسٹی میں عربی اور فارسی زبان و ادب کے استاد تھے۔ انھوں نے ترکی اور ایرانی ادب پر بہت کچھ لکھا۔ *Literary History of Persia* ان کی گراں مایہ تالیف ہے۔

محمدؐ اقبال

۸/ مارچ ۲۷ء

(۷۸)

ڈیر خان صاحب! السلام علیکم

پنجاب مسلم لیگ[۱] کی طرف سے میمورنڈ ا سائمن کمیشن کو بھیجا جائے گا[۲] جس میں مفصّل حالات اور مسلمانوں کے مطالبات درج ہوں گے۔ انگلستان میں پراپیگنڈا کا وقت اس سال نہیں، آیندہ سال آئے گا۔ افسوس کہ مسلمان پورے طور پر بیدار نہیں اور یوں بھی مفلس ہیں۔ اُمرا اور خیالات میں غرق ہیں۔ علما مذہبی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔ بعض خود غرض لوگ محض اپنی گرم بازاری کے لیے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں۔

والسلام

محمدؐ اقبال، لاہور

۳۰/ مارچ ۲۸ء

ان کی دوسری کتاب کا پورا نام *The Press and Poetry of Modern Persia* ہے۔ (مطبوعہ ۱۹۱۴ء مزید دیکھیے: "اقبال اور براؤن" مشمولہ: اقبال: نئی تفہیم، ڈاکٹر صدیق جاوید، ص ۵۰۱- ۵۰۷)

۱ ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں جو تجاویز منظور کی گئیں، ان میں کانگریس کی طرف سے چند مطالبات کی منظوری کی صورت میں مخلوط طریقہ انتخاب کو قبول کرنے کی تجویز بھی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے سر محمد شفیع صدر پنجاب مسلم لیگ کے ساتھ مل کر اس کے خلاف آواز اٹھائی کیونکہ ڈاکٹر صاحب مخلوط طرزِ انتخابات کے مخالف تھے۔ بعد میں سائمن کمیشن سے تعاون کے معاملے میں بھی مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ سر محمد شفیع اور ڈاکٹر اقبال (صدر و سیکرٹری) کی لیگ سر شفیع مسلم لیگ کہلائی جب کہ دوسرا دھڑا جناح لیگ کہلایا۔ جناح لیگ نے عدم تعاون سے کام لیا جب کہ شفیع لیگ نے کمیشن سے تعاون کیا۔

۲ برطانوی حکومت نے ہند میں دستوری اصلاحات کے لیے ۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو سائمن کمیشن قائم کیا، جس کے ذمہ شہادتیں قلم بند کرنا، تجاویز وصول کرنا اور حالات کا جائزہ لے کر سفارشات مرتب کرنا تھا۔ جناح لیگ اور کانگرس نے مقاطعہ، جب کہ سر شفیع لیگ نے تعاون کیا۔ سائمن کمیشن نے جداگانہ انتخابات کی سفارش کی۔ (زندہ رود، ص ۳۱۱، ۳۲۵)

(۷۹)

مخدومی!   السلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے۔ مجھے دردِ گردہ کی شکایت رہی، جس کا سلسلہ ایک ماہ سے اُوپر جاری رہا۔ جدید طبی آلات کے ذریعے گردے کا معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ گردے میں پتھر ہے اور کہ عملِ جراحی کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے مگر تمام اعزّا اور دوست عملِ جراحی کرانے کے خلاف ہیں۔ درد فی الحال رُک گیا ہے اور مَیں حکیم نابینا صاحب[1] سے علاج کرانے کی خاطر آج شام دہلی جا رہا ہوں۔[2] وہاں چند روز قیام رہے گا۔ اس کے بعد تبدیلِ ہوا کے لیے چند روز کے لیے شملہ میں قیام کروں گا۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اس طویل علالت نے مجھے کمزور کر دیا ہے البتہ درد کا افاقہ ہے، سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے۔ والسلام

آپ کی ہمدردی کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔

مخلص

محمدؐ اقبال، لاہور   ۱۵ جون ۲۸ء

---

۱ حکیم عبدالوہاب انصاری (۱۸۶۸ء - ۱۹۴۱ء) برعظیم کے معروف سیاسی رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔ انھیں نبض شناسی میں کمال حاصل تھا۔ بچپن میں چیچک کی وجہ سے بینائی جاتی رہی، اسی لیے حکیم نابینا کے نام سے مشہور ہوئے۔ فاضل دیوبند تھے۔ طب کے علاوہ رمل، جفر اور علمِ نجوم میں بھی ماہر تھے۔ اقبال نے ۱۹۱۷ء میں پہلی دفعہ ان سے دردِ گردہ کا علاج کرایا، بعد میں بھی ان سے مختلف امراض کا علاج کراتے رہے۔ (ہندوستان کے مشہور اطبا: حکیم سید حبیب الرحمن، ص ۱۴۱، ۱۲۹)

۲ اقبال آغازِ مئی میں گردے کے درد سے دوچار ہوئے۔ ڈاکٹر نہال چند کے علاج سے افاقہ نہ ہوا تو انھوں نے اقبال کو دہلی آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ ۱۵ جون ۱۹۲۸ء کو دہلی روانہ ہو گئے۔ (روزنامہ انقلاب، ۱۷ جون ۱۹۲۸ء)

کتابیات

۱- قرآن مجید۔

۲- ارمغان شاہ ولی اللّٰہ: پروفیسر محمد سرور۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸۔

۳- اسرار و رموز: اقبال۔ شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۴۸ء۔

۴- اقبال اور مسلم مفکرین: ڈاکٹر ملک حسن اختر۔ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

۵- اقبال، افغان اور افغانستان، مرتب: محمد اکرام چغتائی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء

۶- اقبال اور ابن حلّاج: ڈاکٹر محمد ریاض۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۰ء

۷- اقبال: احمد دین، مرتب: مشفق خواجہ۔ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۹ء

۸- اقبال اور افغان: میر عبد الصمد خان۔ یونی ورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۹۰ء

۹- اقبال اور انجمن حمایت اسلام: محمد حنیف شاہد۔ کتب خانہ حمایت اسلام، لاہور، ۱۹۷۶ء

۱۰- اقبال اور فارسی شعرا: ڈاکٹر محمد ریاض۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۱۱- اقبال اور مسلکِ تصوف: ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۱۲- اقبال اور لذت پیکار، مرتب: حق نواز۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۴ء

۱۳- اقبال: ایک تحقیقی مطالعہ: ڈاکٹر ملک حسن اختر۔ یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۴- اقبال بنام شاد، مرتب: محمد عبداللہ قریشی۔ بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۶ء
۱۵- اقبال، پیام بر امید: علامہ عرشی امرت سری، مرتب: تصدق حسین راجا۔ فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۱ء
۱۶- اقبال کا سیاسی کارنامہ: محمد احمد خاں۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء
۱۷- اقبال کی صحبت میں: ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی۔ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء
۱۸- اقبال: نئی تفہیم: ڈاکٹر صدیق جاوید۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء
۱۹- اقبال کے محبوب صوفیہ: اعجاز الحق قدوسی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲ء
۲۰- اقبال نامہ، اوّل، مرتب: شیخ عطاء اللہ۔ شیخ محمد اشرف تاجرانِ کتب، لاہور، [۱۹۴۴ء]۔
۲۱- اقبال نامہ، دوم: مرتبہ شیخ عطاء اللہ۔ شیخ محمد اشرف تاجرانِ کتب لاہور، ۱۹۵۱ء
۲۲- اقبال یورپ میں: سعید اختر درانی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء
۲۳- اقبالیات: تفہیم و تجزیہ: رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۴ء
۲۴- انجمن: فقیر سید وحید الدین۔ لائن آرٹ پریس، کراچی، ۱۹۶۶ء
۲۵- انفاس العارفین: شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ و ترتیب: حکیم محمد اصغر اظہر۔ نوری بک ڈپو، لاہور، ۱۹۷۵ء
۲۶- انوار اقبال، مرتب: بشیر احمد ڈار۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء
۲۷- باقیاتِ اقبال، مرتبین: سید عبد الواحد معینی، محمد عبد اللہ قریشی۔ آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء
۲۸- بانگ درا: اقبال۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۹- بستی دانش منداں جالندھر: نفیس الدین احمد، لاہور۔ س ن
۳۰- پیامِ مشرق: اقبال۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۷ء
۳۱- پیامِ مشرق: اقبال، سلیس اردو ترجمہ: عبد الرشید۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۱ء۔
۳۲- تاریخ تصوف: اقبال، مرتب: پروفیسر صابر کلوروی۔ مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۸۷ء۔
۳۳- تاریخ تصوف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ دار الکتاب، لاہور۔ س ن
۳۴- تاریخ کنج پورہ: اثر نیاز۔ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۳ء
۳۵- تذکرہ افاغنۂ جالندھر: محمد ایوب خان۔ پاکستان پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۶۵ء
۳۶- تذکرہ روسائے پنجاب: سر لیپل ایچ گرفن، کرنل میسی، ترجمہ سید نوازش علی۔ نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۴۰ء
۳۷- تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲ء
۳۸- تصوف برصغیر میں: (نادر مخطوطات) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۲ء
۳۹- تصوف کی حقیقت: پرویز۔ ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۱ء
۴۰- تفہیم القرآن: سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور
۴۱- تلبیس ابلیس: ابن جوزی، ترجمہ: عبد الحق اعظم گڑھی۔ کتب خانہ مجیدیہ، ملتان۔
۴۲- چودہ ستارے: سید نجم الحسن کراروی۔ شیعہ بک ایجنسی، لاہور
۴۳- حضرت بو علی قلندر: اقبال صلاح الدین۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء

۴۴- حیات صدر یار جنگ: شمس تبریز خان۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۱ء
۴۵- دانائے راز: سید نذیر نیازی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۹ء
۴۶- دیوانِ گرامی: شیخ مبارک علی تاجرانِ کتب، لاہور۔ ۱۹۷۱ء
۴۷- رجالِ اقبال: عبد الرؤف عروج۔ نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۸۸ء
۴۸- روسائے با اختیار اور نامی خاندان: کرنل چارلس میلسن، ترجمہ: اے ایس شاہ۔ مسٹر پرنٹس، کوئٹہ
۴۹- زندہ رود: جاوید اقبال۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۳ء
۵۰- سر سید کا سفر نامہ پنجاب: مولوی سید اقبال علی۔ مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء
۵۱- شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مرتب: خلیق احمد نظامی۔ ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۸ء
۵۲- شعلۂ مستعجل: اکرام رانا۔ مکتبہ کارواں، لاہور، ۱۹۷۸ء
۵۳- طبقات ابن سعد: محمد بن سعد۔ نفیس اکیڈیمی، کراچی، ۱۹۷۷ء
۵۴- طواسین، ترجمہ و تحقیق: عتیق الرحمن عثمانی۔ المعارف، لاہور، ۱۹۸۳ء
۵۵- طواسین اقبال، اوّل: ایس ایم عمر فاروق۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۷ء
۵۶- طواسین اقبال، دوم، سوم: ایس ایم عمر فاروق۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۱ء
۵۷- کاروانِ حیات: مشتاق احمد خان۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور، ۱۹۷۴ء
۵۸- کتابیات اقبال: رفیع الدین ہاشمی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء
۵۹- کلیات اقبال، اردو: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء
۶۰- کلیات باقیات شعرِ اقبال: ڈاکٹر صابر کلوروی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
۶۱- کلیاتِ بیدل: جلد ۱، پوھی مطبع اسد، کابل، ۱۳۴۱ھ

۶۲- کلیات گرامی، تدوین و تصحیح: ڈاکٹر عبد اللطیف / غلام احمد چودھری۔ پیکجز لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۳- کلیاتِ مکاتیب اقبال، اوّل، مرتب: سید مظفر حسین برنی۔ اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳ء

۶۴- کلیات مکاتیبِ اقبال، دوم، مرتب: مظفر حسین برنی۔ اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۵۔ کنز المجربات: حکیم محمد عبد اللہ۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۶- مارشل لا سے مارشل لا تک: سید نور احمد۔ دار الکتاب، لاہور، ۱۹۶۷ء

۶۷- محمد اقبال: ایک ادبی سوانح حیات: جگن ناتھ آزاد۔ اقبال پبلشرز، لاہور، س ن۔

۶۸- مطالعہ اقبال کے نئے رُخ: ڈاکٹر سید عبد اللہ۔ بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۴ء

۶۹- مظلوم اقبال: شیخ اعجاز احمد۔ داؤد پوتا روڈ، کراچی، ۱۹۸۵ء

۷۰- معاصرین، اقبال کی نظر میں: محمد عبد اللہ قریشی۔ مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء

۷۱- مفکر پاکستان: محمد حنیف شاہد۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء

۷۲- مقالاتِ اقبال، مرتبین: سید عبد الواحد معینی، محمد عبد اللہ قریشی۔ آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء

۷۳- مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں۔ بزمِ اقبال، لاہور، [۱۹۵۴ء]

۷۴- مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۶ء

۷۵- مکاتیب اقبال بنام گرامی، مرتب: محمد عبد اللہ قریشی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء

۷۶- مکتوباتِ اقبال، مرتب: سید نذیر نیازی۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء
۷۷- ملفوظات اقبال: [مرتب: محمود نظامی]۔ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء
۷۸- نذرِ اقبال: شیخ عبدالقادر، مرتب: محمد حنیف شاہد۔ بزم اقبال، لاہور، ۱۹۷۲ء
۷۹- نقدِ بجنوری: ڈاکٹر حدیقہ بیگم۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۸۴ء
۸۰- نوادر ذخیرہ میاں عبدالعزیز سے چند نادر دستاویزات اور غیر مطبوعہ خطوط: ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء
۸۱- ہندوستان کے مشہور اطباء: حکیم حافظ سید حبیب الرحمن۔ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء
۸۲- ہوم ڈاکٹر: مرتب حکیم مظفر حسین اعوان، کتب خانہ زندگی، لاہور، ۱۹۶۵ء

انگریزی کتب:

83- *The Princes of India*: Sir William Barton, Nisbet and Co. Ltd, London, 1934.
84- *The Sword and the Sceptre*: Collected and edited by Dr. Riffat Hasan, Iqbal Academy, Lahore, 1977.
85. *Tributes to Iqbal*: Edited by Mohammad Hanif Shahid, Sang-i-Meel Publications, Lahore, 1977.

رسائل و جرائد:

۱- ماہنامہ افکار معلم، لاہور، جولائی ۱۹۹۳ء
۲- سہ ماہی اقبال، لاہور، اپریل ۱۹۵۳ء، اپریل ۱۹۵۴ء، اپریل ۱۹۷۵ء، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، جنوری ۱۹۹۱ء، اپریل ۱۹۹۱ء
۳- اقبال ریویو، لاہور، جنوری ۱۹۷۰ء۔
۴- ششماہی اقبالیات، لاہور، جنوری ۱۹۷۱ء، جولائی ۱۹۹۰ء-جنوری ۱۹۹۱ء۔
۵- روزنامہ انقلاب، لاہور، ۱۷جون ۱۹۲۸ء۔

۶- روزنامہ پیسہ اخبار، لاہور، ۳/ دسمبر ۱۹۱۹ء، ۴/ دسمبر ۱۹۱۹ء، ۲/ نومبر ۱۹۲۰ء، ۹/ اپریل ۱۹۲۴ء۔

۷- مجلہ خیابان، پشاور، اقبال نمبر ۱۹۷۳ء، دانائے راز نمبر ۱۹۷۷ء۔

۸- روزنامہ زمیندار، لاہور، ۴/ دسمبر ۱۹۱۹ء، ۳۰/ اپریل ۱۹۲۰ء، ۹/ اپریل ۱۹۲۴ء۔

۹- صحیفہ، لاہور، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء۔

۱۰- ماہنامہ فکر و نظر، لاہور، مارچ ۱۹۹۱ء۔

۱۱- ہفت روزہ لاہور، لاہور، ۹/ مارچ ۱۹۶۴ء۔

۱۲- ماہنامہ مخزن، لاہور، اکتوبر ۱۹۲۱ء۔

۱۳- نقوش، لاہور، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، شمارہ ۱۴۰۔

۱۴- وسطی ایشیا کے مسلمان، اسلام آباد، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء۔

غیر مطبوعہ لوازمہ:

۱- پنجاب میں اردو اخبار نویسی: ڈاکٹر مسکین حجازی۔ مقالہ پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب، لاہور۔

۲- خواجہ دل محمد: فریدہ خانم۔ مقالہ ایم اے اردو، جامعہ پنجاب، لاہور

۳- بیاض اعجاز (عکس): شیخ اعجاز احمد، مخزونہ سرحد اردو اکیڈیمی، قلندر آباد

۴- خان نفیس الدین خاں، عبید الحق ندوی، پروفیسر محمد اسلم، عبد الحمید چودھری اور پروفیسر معین نظامی سے ملاقاتوں کی یادداشتیں

۵- مکتوب کفایت اللہ (مالیر کوٹلہ) بنام رفیع الدین ہاشمی

حوالہ جاتی کتب:

۱- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور جلد ۱، ۱۹۶۴ء۔ جلد ۲ :۱۹۶۶ء۔ جلد ۴: ۱۹۶۹ء۔ جلد ۵ : ۱۹۷۱ء۔ جلد ۸:۱۹۷۳ء۔ جلد ۱۱:۱۹۷۵ء۔

۲- اردو انسائیکلوپیڈیا: فیروز سنز، لاہور

۳- اردو جامع انسائیکلوپیڈیا: جلد ا، وزرات ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند نئ دہلی، ۲۰۰۳ء

۴- اسلامی انسائیکلوپیڈیا، مرتب :سید قاسم محمود۔ شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی،[۱۹۸۴ء]

۵- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، مرتب: سید قاسم محمود۔ الفیصل ناشرانِ کتب لاہور، ۱۹۹۴ء

1- *Encyclopaedia Britannica*, William Benton Publisher, Helen Hemingway Publishers, London, 1973- 1974.
Vol-1, Vol-5, Vol-8, Vol-14, Vol-22.

2- *The World Book Encyclopedia*, Field Enterprises Educational Corporation, Chicago, 1970, Vol-20.

3- *Gazetteer Jullundur District*, 1905.

ضمیمہ جات

☆مکتوباتِ گرامی بنام نیاز

☆مسئلۂ خلافت کی حقیقت

از خان نیاز الدین خاں

☆اقبال کے دست نوشت چند مکاتیب کے عکس

ضمیمہ نمبر ۱

مکتوباتِ گرامی بنام نیاز

(۱)

مرشدِ گرامی! تسلیم۔

میں بہت خوش ہوا۔ آپ نے میری پندار اور میرے نفسِ امّارہ کو کچل ڈالا۔ میں آپ کو اپنا پیر و مرشد خیال کرتا ہوں۔ حضرت خان صاحب بہادر، مرشدِ کامل وہی ہوتا ہے جو مرید کے پندار کو محو کر دے۔ میں کسی دوسرے کو کچھ کلام بھیجتا ہوں تو وہ بے معنی تعریف کے پُل باندھ دیتا ہے حالانکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جس کلام کی تعریف کی گئی ہے، وہ تعریف کے قابل نہ تھا۔ ان شاء اللہ اس غزل کی نظرِ ثانی کی جائے گی اور اس کو دانش مند پسند بنا دیا جائے گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کو صحت ہو جائے اور میں آپ کو بستی دانش منداں میں خوش اور تندرست دیکھوں۔

راقم گرامی

(۲)

جناب خان صاحب بہادر! تسلیم۔

مجھے آپ کا خط مل گیا۔ میں آپ کی عنایاتِ قدیم اور نگاہِ گرامی نواز کا مرہون ہوں۔ ان شاء اللہ چند روز تک جالندھر آؤں گا۔ آپ کی خدمتِ عالی میں بسر و چشم حاضر ہوں گا۔ میں لاہور میں بیمار ہو گیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر اقبال کے تکلفات کا درجہ افراط کو پہنچ گیا تھا۔

ناتواں سال خوردہ گرامی ان کی مہربانیوں کی تاب نہ لا سکا۔ بیماری کی حالت میں ہوشیار پور آ گیا۔ جالندھر نہ ٹھہر سکا۔ چند شعر ایک غزل کے بھیجتا ہوں، حافظؔ پر لکھی ہے۔

والسلام

کلامِ گرامی

بہار آمد و گلبانگِ نائے و نوش آمد
بیار بادہ کہ نوروزِ چشم و گوش آمد
نگاہِ مغبچہ آں بادہ ریخت در ساغر
کہ عقل مست شد و بے خودی بہ ہوش آمد
ز حسنِ دلکش و آوازِ دلرباش مپرس
کہ گوشِ اہلِ نظر چشم و چشمِ گوش آمد
سحر بکوئے خودم دید و خندہ زد کہ دِگر
ستارہ سوختۂ امتحان دوش آمد
چناں برشکِ جگر گوں زدیدہ می چکدم
کہ دامنِ مژہ دامانِ گل فروش آمد
مرا ز مرشدِ شیراز نکتہ اے یاد است
کہ سست عہد بود ہر کہ سخت کوش آمد
مریدِ پیرِ مغانم کہ گفت و خوش می گفت
کہ ہاں گرامی مارندِ خرقہ پوش آمد

راقم گرامی

(نوٹ: مطبوعہ دیوان میں ۱۱۴ اشعار ہیں)

(۳)

خان صاحب بہادر! عید مبارک، تسلیم۔

آپ کا گرامی دہلی سے جالندھر آ گیا۔ آپ کے باغ کے آموں کی کشش گرامی کے واسطے کہربا بن گئی۔ ورنہ کہاں گرامی اور کہاں جالندھر اور کہاں خان صاحب نیاز الدین کے باغ کے آم۔ گرامی دہلی میں تھا۔ شیخ فضل محمد صاحب تحصیل دار دہلی کو ملنے گیا۔ وہاں آپ کے فرزندِ ارجمند بہار خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ گرامی بہت خوش ہوا اور یہ مصرع زبان پر آ گیا:

غلام آں پدرم من کہ ایں پسر دارد

خان صاحب! آپ کی سالِ گذشتہ کی دعوت نے گرامی کو دہلی سے جالندھر کھینچ لیا۔ اپنے باغ کے لاجواب آم بھیج دیجیے۔ گرامی چشم براہ ہے۔

راقم

شیخ غلام قادر گرامی

شاعرِ خاص حضور نظام

(۴)

خان صاحب! تسلیم۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا خط پڑھ لیا۔ آپ سے مل کر باتیں ہوں گی۔ آپ مالیر کوٹلہ سے آئیں گے۔ گرامی آپ کے حکم کی تعمیل کو بسر و چشم حاضر ہے۔ مالیر کوٹلہ سے آتے ہی مجھے اطلاع دیجیے۔ کونین استعمال کر رہا ہوں۔

گرامی سقیم

(۵)

حضرت مجدد ڈاکٹر صاحب کو دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے۔ ان شاء اللہ دونوں چلیں گے۔

خان صاحب بہادر! تسلیم۔

سبحان اللہ کیا اچھا شعر نکلا ہے۔

قیس از فکرِ مے و جام بلوریں مست است

چشمِ آں فاقہ نشیں بادہ و جام است ایں جا

تشبیہ کامل ہے۔ آنکھ جام بھی ہے اور بادہ بھی۔ نہایت درجہ کی بلاغت ہے۔ لاجواب شعر ہے۔ الہام ہے۔

حرفِ شوخے کہ بدلبر سرِ افلاک بگفت

بر درِ مے کدہ مشہورِ عوام است ایں جا

اگر بگفت کا فاعل ظاہر کر دیں تو بلاغت نہیں رہتی۔ اُس بگفت کا فاعل دل درد آشنا ولی جانتا ہے اور یہی بلاغت ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

سرِ خدا کہ عارفِ سالک بہ کس نہ گفت

در حیرتم کو بادہ فروش از کجا شنید

عارفِ سالک خاتم المرسلینؐ۔ بادہ فروش حضرتِ ساقی کوثر علیہ السلام معراج کی رمز اس شعر میں مضمر ہے۔ حضرت خان صاحب جو کچھ میں نے آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے صحیح لکھا ہے بلا مبالغہ لکھا ہے۔ میں حیرت میں ہوں کہ دوسروں کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔

دادِ اُو را قابلیت شرط نیست

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

غالباً اسلامیہ سکول کے جلسے میں آپ تشریف لاویں گے۔

راقم گرامی

(۶)

خان صاحب بہادر! تسلیم۔

کیوں آپ گرامی کو پندار کی کشاکش میں پھنساتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی بالغ نظری اور عالی دماغی کی دلیل ہے کہ انھوں نے گرامی کے شعر کو پسند کیا ہے۔ وہ فلاسفر ہیں۔ حکیم ہیں۔ گرامی ایک دقیانوسی جَہل کا مریض ہے۔ آپ گرامی کی طرف سے اُن کی خدمت میں شکریہ ادا کر دیجیے۔

عنوانِ یک نگاہِ تو آشوبِ عالمے
تمہید نیم خندِ تو مرگِ ولایتے

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے لکھ دیجیے کہ اس شعر کو مطلع بنا دیں۔ اگر وہ مطلع بنا دیں گے تو وہ مطلعِ آفتاب ہو گا۔ روپیا ابھی تک نہیں وصول ہوا۔ بفضلِ خدا آ جائے گا۔ رازقِ مطلق ہے۔ نواب عزیز جنگ بہادر حیدر آباد میں گرامی کے دوست ہیں۔ غریب خانۂ گرامی پر تشریف لایا کرتے ہیں۔

سقیم گرامی

(۷)

خان صاحب بہادر! تسلیم۔

آپ کا ایک مضمون خلافت پر میری نظر سے گزرا۔ بالغ نظرانِ ادا فہم نے پسند کیا۔ میں لاہور ۱۲ روز رہا، ۴ روز اچھا رہا، ۸ روز بیمار، یعنی چار روز عالمِ وجود میں جلوہ افروز رہا، آٹھ روز گوشہ گیرِ نہاں خانۂ عدم۔ صحیح گیا تھا، سقیم آیا۔ ڈاکٹر اقبال کی مسند نشینی کے بعد لاہور کی زمین گرامی کے واسطے آسمان بن گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی عنایات اور محبت کی کوئی انتہا نہیں۔

آج حیدر آباد دکن سے میرے پاس ایک خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ خان صاحب فخر الدین خان بہادر فنانشل سیکرٹری، پندرہ روز کی رخصت پر وطن کو روانہ ہو گئے ہیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے بواپسی ڈاک اطلاع دے سکتے ہیں کہ خان صاحب بہادر فنانشل سیکرٹری سرکارِ آصفیہ تنہا آئے ہیں یا اُن کے بال بچے بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ میں خان

صاحب بہادر کو ملنا چاہتا ہوں۔ کیا دھوگڑی میں جا کر ملوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مفصّل حالات سے اطلاع دیں گے۔

سقیم گرامی

(نوٹ: فخر الدین خاں فخر یار جنگ بہادر دھوگڑی ضلع جالندھر کے سر بر آوردہ اور معروف لودھی خاندان سے تھے۔ وزارت فنانس سے پنشن یاب ہوئے تھے)۔ [نیاز کے برادرِ نسبتی تھے]

(۸)

۲۰ رمضان المبارک ۳۸ ہجری، ہوشیار پور۔

خدمتِ عالی خان صاحب بہادر! تسلیم۔

آپ کا کارڈ مجھ کو مل گیا۔ بہت اچھا شعر آپ نے لکھا ہے۔ ہاں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ بجائے تربت کے یوں کر لیجیے "فرض داند طوفِ کویت ایں دلِ شیدائے من" یا اس طرح کیجیے۔ "فرض داند طوفِ یثرب ایں دلِ شیدائے من"۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ بجائے میرے آپ اس پر ایک نعت لکھیے۔ گرامی اور دانش مند دونوں ایک ہیں۔ ہم وطن ہیں۔ دراصل گرامی شاگرد ہے بستی دانش مند کا۔ آپ ڈاکٹر صاحب کا جواب لاجواب ہیں۔ ضرور نعت لکھیں۔

میں بفضلِ خدا امروز و فردا حیدر آباد جانے والا ہوں۔ جالندھر میں آپ کو ملوں گا۔ خان صاحب امیر الدین خاں بہادر سے ہوشیار پور ملاقات ہوئی۔ مگر گرامی اس ملاقات سے خوش نہ ہوا۔ چند منٹ ملاقات رہی۔ گرامی اُن کے مسلسل سخنانِ دلآویز کا آرزومند ہی رہا۔

سقیم گرامی

(۹)

شب برات، ہوشیار پور۔

خدمتِ عالی خان صاحب! تسلیم۔

بہت اچھا شعر ہے۔ دوسرا مصرع ذرا کمزور ہے یوں کر دیجیے:

بہ کشوریکہ کند دختِ رز جہانسانی   ہزار خندہ زند کفر بر مسلمانی

آپ اگر دل سے چاہتے کہ گرامی جالندھر میں آ کر رہے، ناممکن تھا کہ میں ہوشیار پور میں رہتا۔ دراصل جالندھر کے مشاہیر کی فطرت فطرتِ ازلی کا آئینہ ہے۔ بابو صاحب نے اس کو ثابت کر دیا ہے... وطن میں پیغمبر کی قدر بھی نہیں ہوتی۔

رباعی

بر چرخ ستارہ جستجوئے دارد
ہر ذرّۂ خاک آرزوئے دارد
دارد ہر رہ نورد شورے در سر
پیداست کہ ہر دماغ بُوئے دارد

رباعی

دادند مرا براتِ غم من چہ کنم
در دستِ دگر بود قلم من چہ کنم
دی آوردند مو کشانم بہ وجود
بُردند امروز در عدم من چہ کنم

رباعی

ہر مور دماغِ اجتہادے دارد
ہر ذرّہ نگاہ کیقبادے دارد
در عقدہ کارِ خویش بر خویش مپیچ
بکشائے کہ ہر گرہ کشادے دارد

خدمت عالی خان صاحب بہادر امیر الدین خاں سلام

گرامی سقیم

[نوٹ: دیوان میں یہ رباعیات نہیں ہیں مرتب]

(۱۰)

ہوشیار پور

عالی خدمت خان بہادر صاحب بہادر! تسلیم۔

آپ کا کارڈ مجھے مل گیا۔ سبحان اللہ آپ نے کیا اچھا مطلع لکھا ہے۔

نالہ شوریست کہ از گلخن دل می خیزد
آہ دُودیست کہ از روزنِ دل می خیزد

خان صاحب بہادر! آج کل میرا مزاج کچھ اچھا نہیں رہتا۔ بخار میں مبتلا ہوں۔ میرا ارادہ اور آپ کا صحیح خیال خط وحدانی میں ہیں۔ چند روز تک جالندھر آتا ہوں۔ ممکن ہے خان صاحب بہادر امیر الدین خاں صاحب کے ہاں ایک دو روز کے واسطے ٹھہروں۔ آپ کی خدمت میں بسر وچشم حاضر ہوں گا۔ الحمد للہ آپ کو آرام ہے۔

اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہی مکان بابو رحمت اللہ صاحب سے ہم کو کرایہ پر لے دیجیے۔ بہ نسبت میری تحریر کے آپ کا اثر زیادہ ہو گا۔ دو چار ماہ جالندھر میں رہوں گا۔ اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جاوے گی۔

ایک غزل بھیج دی ہے۔ حضرت امیر الدین خاں بہادر کو ضرور دکھلا دیجیے۔ اور ان کی رائے صحیح سے مجھے اطلاع دیجیے۔ جالندھر کی آب وہوا میرے مزاج کی ادا شنا ہے۔ میں اچھا تھا، یہاں بیمار رہتا ہوں۔

آں آب و ہوا شود علاجم
مادر زادے شود مزاجم

راقم گرامی

ہاں ایک کام گرامی کا اور ہے وہ یہ کہ ایک خط خان صاحب بہادر فخر الدین خاں معتمد فنانس دولتِ آصفیہ اور عنایت فرمائیں۔ گرامی کا لکھ دیجیے اور ان کی خدمت میں بھیج دیجیے جس کا مضمون یہ ہو کہ سالخوردہ ازکارِ رفتہ گرامی کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ بوڑھا گرامی بیمار رہتا ہے۔ دو تین ماہ تک آجائے گا۔ جہاں چار سال پنجاب میں رہا دو چار مہینے اور رہنے دیجیے۔ اگر زندہ رہا حیدر آباد میں آجائے گا۔ ضرور اس مضمون کا ایک خط لکھ کر بھیج دیجیے۔ گرامی

(نوٹ: فخر الدین خان ڈھوگری۔ جالندھر کے خان بہادر غلام احمد خاں مشیر مال ریاست کشمیر کے فرزند اکبر تھے۔ ہمارے ماموں تھے)۔[نفیس الدین خاں]

(۱۱)

خدمت خان صاحب بہادر۔ تسلیم۔ آپ کا خط مجھے مل گیا۔ کیا دلربا مطلع ہے۔

سر دہم نالہ بہ امید نگاہے گاہے
گریۂ فرصت چو دید می کنم آہے گاہے

میں نے لکھ دیا تھا کہ دوسروں کی انتہا آپ کی ابتدا ہے۔ بہت اچھی غزل لکھی ہے۔ واہ حضرت واہ۔ آپ کرنال جاتے ہیں اور گرامی کو جالندھر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آخر حکم کی تعمیل کی جاوے گی۔ جالندھر کی رہایش اختیار کی جاوے گی: ؎

آں آب و ہوا شود علاجم
مادر زادے شود مزاجم

گرامی بیمار رہتا ہے اور یہ بیماری مرگ کا مقدمہ الجیش ہے۔ میرے ایک دوست نے سچ کہا ہے کہ لوگ بیاہ کر کے جورو کو لاتے ہیں۔ گرامی کو گرامی کی جورُو بیاہ کر لے گئی۔

شد غلامے کہ آبجو آرد
آبجو آمد و غلام ببرد

خدمت حضرت ڈاکٹر سر اقبال گرامی کا سلام کہہ دیجیے گا۔ والسلام

گرامی

خان صاحب بہادر! غزل نہایت دل آویز اور دل فریب ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سر اقبال کو ضرور سنایئے۔ گرامی آج کل بیمار ہے۔

کہ بیمار است رائے مردِ بیمار

(۱۲)

حضرت خان صاحب بہادر، تسلیم

سوختیم و سوزشِ ما بر کسے ظاہر نشد
چوں چراغانِ شبِ مہتاب بے جا سوختیم

اس پر آپ نے بہت اچھے شعر نکالے ہیں۔ میں پڑھ کر بہت خوش ہوا:

چشمِ آتش بارِ ما چوں قطرہ در جیحوں فگند
ناخدا و لنگر و کشتی و دریا سوختیم

واہ سبحان اللہ، کیا اچھا کلام ہے:

حضرتِ فرہاد با ما چوں بہ شب آہے کشید
صبحدم گل گرد یعنی کوہ و صحرا سوختیم
ہیچ رحمے نیست بر حالِ تباہِ ما نیاز
چوں چراغِ گورِ مسکیناں سراپا سوختیم

ایک سے ایک اچھا شعر ہے۔ والسلام

گرامی

(۱۳)

عالی خدمت خان صاحب بہادر، ڈپٹی نیاز الدین خاں، تسلیم

حضرت ڈاکٹر صاحب کا لاجواب شعر ہے، اور سنگلاخ زمین ہے۔ گرامی کا فکرِ سال خوردہ اس زمین میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مجدّد ہیں، فلاسفر ہیں، ادب آموزِ ہند

ہیں۔ گرامی ان کا دماغ کہاں سے لائے۔ دو تین شعر لکھتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمتِ عالی میں بھیج دیجیے۔ ان کی داد کو داد سمجھیے۔ دوسروں کی داد کو عین بے داد۔

راقم گرامی

دی سالکِ مجذوب نہاں گفت بہ اقبال
آں نکتہ کہ با مومن و کافر نتواں گفت
ماخم کشِ دیرینۂ سرجوشِ الستیم
باما سخن از شیشہ و ساغر نتواں گفت
منصور کہ مستانہ برآمد بسرِ دار
خوش گفت کہ ہر نکتہ بہ منبر نتواں گفت
آں طفل رہِ دل زد و رہزن نتواں گفت
درکعبہ زند آتش و کافر نتواں گفت
با دلِ شدگاں قصہ زمحشر نتواں کرد
با سوختگاں حرف ز کوثر نتواں گفت

(نوٹ: دیوان میں ۱۱۳ اشعار ہیں)

(۱۴)

خان صاحب بہادر، تسلیم۔

وہ غزل بھیجتا ہوں، صوفی پسند ہے، فلاسفر پسند نہیں۔ آپ پسند فرمائیں۔

گرامی

ضمیمہ : ۲

مسئلہ خلافت کی حقیقت

(جناب مولوی محمد نیاز الدین خاں جالندھری کے قلم سے)

"مسئلہ خلافت پر ہم نے ان حضرات کی تحریریں بھی معائنہ کی ہیں جو اس کو ایک اہم مسئلہ اسلام بیان فرماتے ہیں اور ان حضرات کی بحثیں بھی سنی ہیں جو فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اس مسئلے میں خاموش ہے۔ حدیث شریف میں فقط اس قدر آیا ہے کہ ہمارے بعد صرف تیس سال تک خلافت ہو گی اور اس کے بعد ایسے بادشاہوں کا راج ہو گا جو رعایا کو پاگل کتّے کی طرح کاٹ کاٹ کر کھائیں گے چنانچہ حضرت حسنؓ کے خلعِ خلافت کے بعد تیس سال پورے ہو گئے، اب خلافت کا ذکر لا حاصل بات ہے۔

خلافت کا ثبوت قرآن مجید سے:

ہم عرض کرتے ہیں اور سب کتابوں کو چھوڑ کر اگر صرف قرآن مجید کے مضامین اور احکام پر غور کیا جائے تو مسئلہ خلافت ایک مہتم بالشان مسئلہ قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت موجود ہے شخصوں و تخشص (کذا) بمعنی ہستی کی اطاعت فرض بتائی گئی ہے۔ اول خدا، دوم رسولؐ، سوم صاحبِ امر یا بادشاہ مسلمان۔ اور یہ اطاعت اور فرماں پذیری ہمیشہ کے لیے فرض کی گئی ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک عرصہ معین کے لیے تو ان سب کی یا ان میں سے کسی کی اطاعت فرض ہو اور اس کے بعد یہ فرض نہ رہے۔ جس طرح تادمِ مرگ ایک مسلمان پر اپنے خدا اپنے رسول کی اطاعت فرض ہے۔ اسی طرح تالبِ گور مسلمان بادشاہ کی اطاعت مسلمان پر فرض چلی آتی ہے۔

اولی الامر کون ہے؟

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ صاحبِ امر سے وہ شخص مراد ہے جس کے ملک میں مسلمان بطور رعایا آباد ہوں خواہ وہ مسلم ہو، خواہ نصرانی اور خواہ بت پرست۔ رعایا پر اپنے ہی بادشاہ کی فرمانبرداری فرض ہے اور قرآن پاک کی آیت بھی یہی کہتی ہے مگر یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے اس واسطے کہ قرآن مجید میں تو یہ مضمون ہی سرے سے درج نہیں ہے کہ مسلمان محکوم ہو یا غیر مسلم حاکم اور نہ اس تعلق کے لیے کوئی ہدایت کلام الٰہی میں پائی جاتی ہے البتہ مسلمان امیر ہو اور غیر مسلم رعیت اور غلام، اُس کے واسطے قرآن پاک میں برابر ہدایات ملتی ہیں۔

اسلام محکومیت کے تصور سے ناآشنا ہے:

جب قرآن مجید کے دماغ میں مسلمانوں کے محکوم ہونے کا خیال تک نہ گزرا ہو تو ایسے بادشاہوں کی اطاعت کو کہاں سے حکم دے سکتا ہے جو مسلمان نہ ہوں اس لیے آیت مذکورہ بالا میں جو الفاظ ''اولی الامر منکم'' کے آئے ہیں فقط ''من'' کی جگہ ''فی'' پڑھنا کہ دراصل ''فی کم'' مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ خواہ کسی مذہب و ملت کا بادشاہ ہو اس کی اطاعت مسلمان پر فرض ہے، نہ صرف لفظی بلکہ معنوی تحریف ہے۔ ہم اپنا مدعا ایک مثال سے واضح کیے دیتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک غیر مسلم بادشاہ اپنی مسلمان رعایا کو حکم دیتا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو نماز فرض نہیں ہے اور نہ تمھارے رسولؐ نے کبھی نماز پڑھی ہے۔ اب فرمایئے کہ آپ اس حاکم کو کس طرح قائل کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اسلام میں ایسی صورت میں جہاں تک ہم کو علم ہے کوئی صاف ہدایت موجود نہیں ہے، لیکن یہی جھگڑا ایک مسلمان امیر اور مسلمان رعایا میں پیدا ہو جائے تو اُس کے تصفیہ کے لیے قرآن پاک میں ہدایت موجود ہے کہ تم آپس کے جھگڑے [میں] خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو یعنی خدا کے کلام اور رسول کی حدیث کو حکم بنالو اور جو فیصلہ وہ دیں اس کو تسلیم کرو۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ آیت زیر بحث میں صاحب امر سے مسلمان ہی مراد ہے کیونکہ مسلمان ہی مخاطب ہیں اور کوئی نہیں۔

فریضہ اطاعتِ اولی الامر:

جب صورتِ واقعہ یہ ہے تو یہ کیوں ہو کہ مسلمان دو شخصوں کی اطاعت تو کریں اور تیسرے کی اطاعت سے روگردان ہو جائیں حالانکہ اس تیسرے شخص اور باقی دونوں کی اطاعت برابر فرض ہے کیا ایسا کرنا شرعی گناہ نہیں ہے؟ آج کل کہا جاتا ہے کہ چونکہ مسلمان فی زمانہ مختلف ادیان کے بادشاہوں کی رعایا ہیں، اس لیے وہ کسی ایسے مسلمان بادشاہ کی اطاعت کس طرح اور کیوں کر سکتے ہیں جو ان پر حکمران نہیں۔ بادی النظر میں تو یہ اعتراض معقول اور وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر قرآنی احکام پر عمیق غور کیا جائے تو بات بالکل لغو اور ہیچ ثابت ہوتی ہے۔ اس اعتراض کے ہم دو جواب عرض کرتے ہیں۔

شرع کے احکام کی سرمدیت:

اولاً اگر کوئی شخص مسلمانوں کو ادائے نماز سے روک دے یا خود مسلمان نماز ترک کر بیٹھیں تو کیا اس سے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہو جائے گا یا وہ دنیا میں نفاذ پذیر نہ رہے گا؟ اس طرح اگر مسلمان امیر مسلم کی اطاعت نہ کریں یا نہ کر سکتے ہوں تو کیا اس سے الٰہی حکم دربارۂ اطاعت امیر منقطع اور مسترد ہو جائے گا؟ ہمارا خیال ہے کہ آپ ضرور تسلیم کریں گے کہ اطاعت امیر کا حکم ضرور جاری رہے گا اور جب تک قرآن مجید کے احکام جاری ہیں یہ حکم بھی جاری رہے گا۔ اطاعت کے نہ کرنے یا نہ کر سکنے سے حکم کا استرداد لازم نہیں آتا۔

ثانیاً دوسرا جواب عرض کرنے سے ہم دینِ الٰہی کا ایک اصول بیان کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ناممکنات کا مکلف نہیں کیا بلکہ محض ممکنات کا مکلف کیا ہے یا یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ [نے] ہم کو کسی ایسے عمل کے کرنے پر مامور نہیں فرمایا جو ناممکن ہو، اگر یہ اصول درست ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ درست ہے تو مسلمانوں کے لیے مسلم امیر کی اطاعت ممکن تو ہوتی پھر اطاعت نہ کی جائے تو قصور اطاعت نہ کرنے والوں کا ہو گا نہ کہ قانون الٰہی کا۔ ان حالات میں مسلمان یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ صاحب ہم کیا کریں ہم غیر مسلموں کی رعایا ہیں۔ تم نے اس حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دیا خدا نے تم کو

غیروں کے پاؤں تلے ڈال دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر خدا ہر وقت ہے رسول ہر وقت ہے تو خلیفۃ المسلمین بھی ہر وقت کیوں نہ ہو گا۔ اگر تمام امت محمدیہ کے امکان میں ہے کہ وہ سب مل کر ایک مسلم امیر کے حلقہ بگوش ہو سکتے ہیں تو مسلمان اس حکم کے بھی پابند ہیں جو ان کو اطاعت امیر کے بارے میں خدا نے دیا ہے۔

اسلام اپنے درد کی دوا آپ ہے:

آج مسلمان از راہِ ناواقفیت مسئلۂ خلافت غیروں کے دروازوں پر یہ سوال کرتے پھرتے ہیں کہ "حضور آپ ہم کو ایک ایسا خلیفہ گھڑ دیں جو ملکِ عرب اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کی طاقت رکھتا ہو اور اگر حضور بھی کبھی ادھر کا رُخ کریں تو وہ آپ کی ہستی کو بھی خیال میں نہ لائے"۔ وہ لوگ اس لغو اور بے ہودہ مطالبے پر دل ہی دل میں ہنستے ہوں گے کہ یہ عجب سادہ لوح ہیں کہ ہم سے ہی ایسی بلی بنوانا چاہتے ہیں جو ہم کو ہی "میاؤں" کہہ کر ڈرا دے۔

کیا ملا عرضِ مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

صفحۂ دنیا پر خود مسلمانوں کا اتنا بڑا جتھا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو نہایت صلح و آشتی کے ساتھ اقوام سے مشورہ کر کے امیر مقرر کر سکتے ہیں جن کے بازو میں اس قدر طاقت ہو کہ وہ عرب و مقامات مقدسہ وغیرہ کی پوری طرح حفاظت کر سکے۔ ہماری رائے میں بغیر کسی خون ریزی اور فتنہ و فساد کے مسلمان قوم ایسا خلیفہ بنا سکتی ہے۔ ہم کو ترکوں یا عربوں وغیرہ کسی خاص قوم سے واسطہ نہیں جس شخص کو ہماری امت مل کر خلیفہ بنا لے خواہ وہ سلطان روم ہو خواہ امیر فیصل اور خواہ خان خیل یا امیر افغانستان، وہی مسلمانوں کا سردار اور امیر اور خلیفہ ہو گا اگر ایسا نہ ہو گا تو مسلمان یاد رکھیں کہ شدہ شدہ ان کے ہاتھ سے تمام ممالک نکل جائیں گے اور آج بھی نکلے جا رہے ہیں۔ حضرتِ رسا نے اپنی غیر مطبوعہ مسدّس میں کیا خوب کہا ہے۔

ہم سے جب اپنے بزرگوں کا چلن چھوٹ گیا
رفتہ رفتہ حلب و شام و یمن چھوٹ گیا
ملک یونان چھٹا، شہر عدن چھوٹ گیا
اب تو سنتے ہیں کہ احمدؐ کا وطن چھوٹ گیا
گلۂ چرخ نہیں شکوۂ اغیار نہیں
بات اتنی ہے فقط ہاتھ میں تلوار نہیں

اگر ناظرین اس مضمون کو بغور پڑھیں گے تو وہ سمجھ لیں گے کہ مسئلہ خلافت کی حقیقت کیا ہے؟

(روزنامہ زمیندار، ۳۰/اپریل ۱۹۲۰ء، ص ۱۔۲)

ضمیمہ نمبر ۳

اقبال کے دست نوشت چند مکاتیب کے عکس

خط نمبر ۱

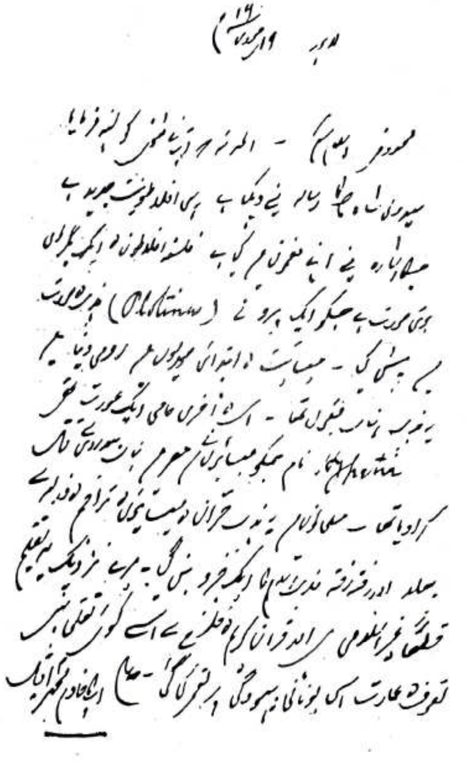
لاہور ۱۹ مئی ۱۶ء

مخدوم و مکرم — السلام علیکم۔ آپ نے تصوف کی نسبت فرمایا
سید روحانی شاہ صاحب کا رسالہ میں نے دیکھا ہے۔ یہی افلاطونیت جدید ہے
جس کا بارہ میں نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ فلسفہ افلاطون کی ایک بگڑی ہوئی
صورت ہے جس کو ایک پیرو نے (Plotinus) مذہب کی صورت
میں پیش کیا۔ مسیحیت کے ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں
یہ مذہب نہایت مقبول تھا۔ اسکے آخری حامی ایک عورت تھی
Hypatia نام جسکو عیسائیوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل
کرا دیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ مذہب حران کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعے
پہنچا اور رفتہ رفتہ مذہب اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم
قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآن کریم کے فلسفے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔
تصوف کی عمارت اسی یونانی بیہودگی پر تعمیر کی گئی۔ والسلام آپکا خادم محمد اقبال

خط نمبر ۸

لاہور ۲ / مارچ ۱۸ء

مخدومی۔ السلام علیکم - آپ کا نوازش نامہ ملا ہے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ کو مرض انفلوئنزا سے شفا ہوئی۔ بہت سے مریض ہلاک ہو گئے۔

تعجب معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے ... [illegible] ... اشاعت ... [illegible]۔

میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی میں بسر کرتا ہوں مشاغل ضروریہ سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر۔ مگر خیال کیجئے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہوگا!

"خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا"

مثنوی کا دوسرا حصہ جس کا نام "رموز بیخودی" ہے انشاء اللہ اسی سال ختم ہو جائے گا۔ بہت بیشتر حصہ ... [illegible] ... جالندھر کا

تشریف لائیں اور یہاں قیام ہو تو بہت خوب ... [illegible] ... رہتا ہے ... [illegible] ... ہو جائے گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا والسلام محمد اقبال۔

خط نمبر ۴۴

لاہور ۲۱/ مئی ۲۰ء

محترمی — تسلیم

یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ آپ ابھی تک ناگوار ہیں۔ اللہ آپ کو
صحت عاجل کرامت فرمائے
جس رشتے کا میں نے ذکر کیا تھا اس کے کوائف مختصر یہ ہیں
آپ شاید مولوی عبد اللہ خان صاحب سابق اسسٹنٹ ماسٹر ماڈل سکول
لاہور کو جانتے ہوں گے۔ یہ ایک عرصے سے لاہور میں مقیم ہیں اور خان بہادر ڈاکٹر شیخ علم
مرحوم کے رشتہ دار ہیں اور ماشاء اللہ بہت اچھا گزارا کر رہے ہیں۔ خان بہادر مرحوم کا
خاندان قریشی ذات کا پٹھان ہے لیکن عرصہ دراز سے پنجاب میں
جس لڑکی کا میں نے ذکر کیا تھا عمر ان کی انیس سال کی ہے۔ لڑکی کا
باپ جو جرمنی میں کئی سالوں سے جانتا ہوں نہایت نیک نفس آدمی ہے

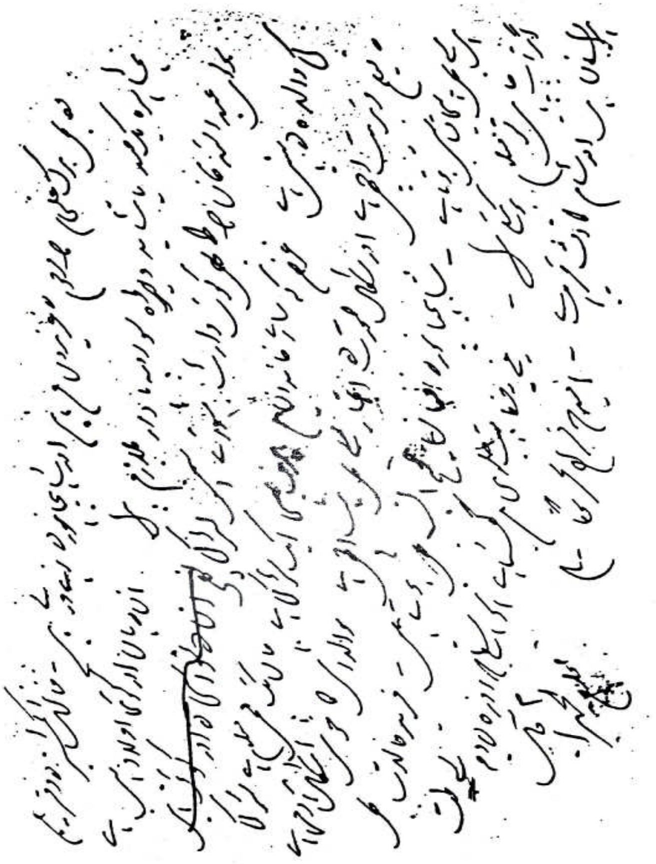

خط نمبر ۴۷

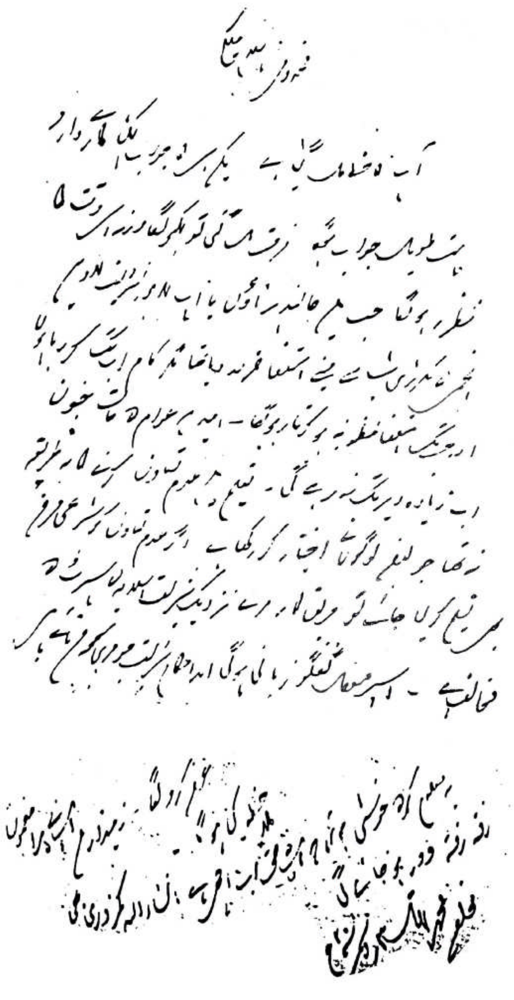

خط نمبر ۵۲

لاہور ۱۳ مارچ ۲۱ء

مخدومی السلام علیکم

کل آپ کے چھوٹے بھائی ابرار الدین خان صاحب [illegible] تشریف لائے آپ کی
اور مولوی [illegible] صاحب کی خیریت معلوم ہوئی۔ [illegible] آپ کا خط بھی ملا
کر اطمینان ہوا [illegible]۔ تختۂ گل کی ترکیب محاورہ ہے یا نہیں
تختۂ گل سے تختۂ گل میرا [illegible] مقصود یہ ہے کہ جبین سجدہ ریز
[illegible] راہ تختۂ گل بنتی ہے فارسی والے سجدے کو گل سے
تشبیہ دیتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا
میری طرف سے [illegible] کو دعا کہیے

محمد اقبال

خط نمبر ۵۴

لاہور ۱۴ اجون ۲۲ء

مخدومی ۔ السلام علیکم

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں

نبی کریم کی زبانِ مبارک سے جس زمانے میں اسرار ترجمہ
بات ہے ۔ تفسیر کی رویا ۔ لاکھ نقائص ہی سہی ۔ قرآن کریم آیات سے
اخذ کیا جاتا ہے کہ قلب محمدی نے جہاں کا رے ۔ اس نسبت محمدیہ کو تزکیہ کرنے
یہ حقیقت بنی کہ قرآن کے معانی میں آتے ہیں ۔ خلاصہ رکھو ساتھ محض قراءت
کافی ہے ۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلعم ابتدائی زمانہ کے لوگوں کا ناد

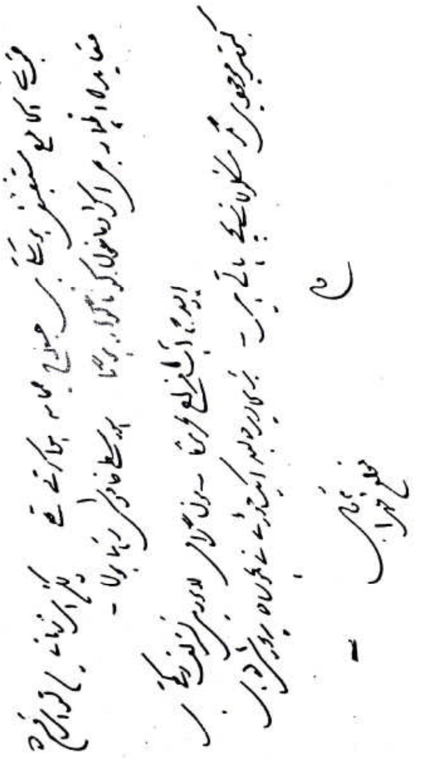

خط نمبر ۷۲

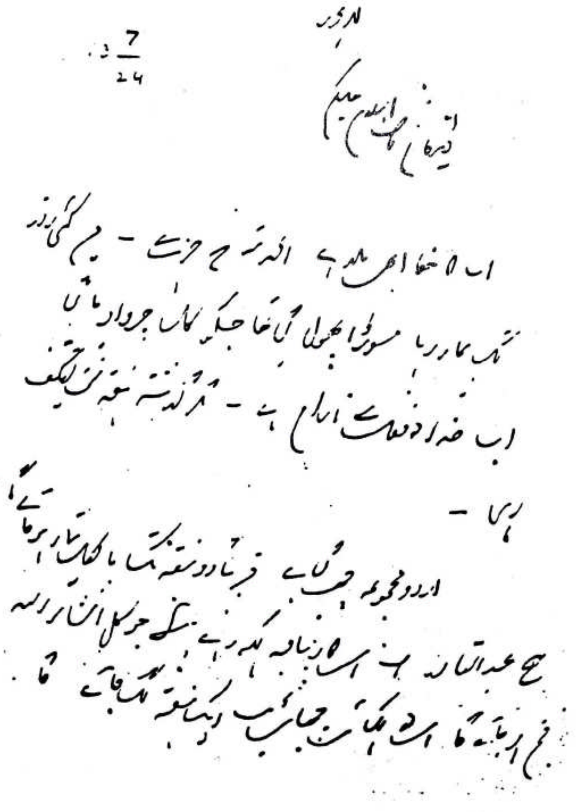

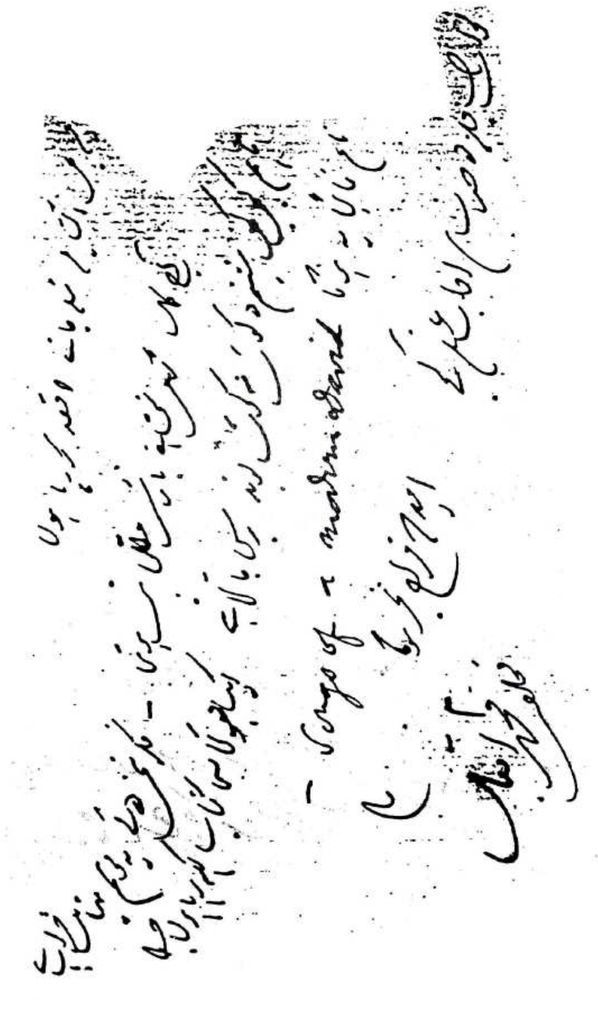

اشاریہ

☆ یہ اشاریہ کتاب کے "حرفِ اول" صفحہ ۹ تا صفحہ ۱۷۸ پر
پر محیط ہے۔ اس میں ضمیمہ جات شامل نہیں کیے گئے۔

☆ اشاریہ اسماء الرجال، اماکن، کتب، رسائل و اخبارات اور
اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔

☆ ادارے (جیسے یونی ورسٹیاں، کالج اور انجمنیں) بھی
مذکور ہیں۔

اشاریہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم: ۸، ۲۵ ۱۰۶،
۱۲۲، ۱۲۳، ۱۴۴
آربری، اے جے: ۱۲۸،
آرنلڈ، سر تھامس واکر: ۱۴۱
آرہ (بہار): ۸۷، ۹۸
آصف اللغات: ۸۹
آغا خان: ۹۸
آفتاب: ۹۶
آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس: ۱۲۶
آم: ۲۷، ۳۹، ۶۵، ۱۰۶، ۱۰۷
آئرلینڈ: ۱۰۲
ابراہیم پورہ: ۳۴
ابراہیم خلیل اللہؑ: ۸۷
ابراہیم علی خان، نواب: ۲۲، ۳۶، ۱۰۳،
۱۰۴، ۱۴۰
ابرڈن یونی ورسٹی: ۱۳۷
ابن بکار: ۹۹، ۱۰۰
ابن تیمیہ: ۳۷، ۴۸
ابنِ جوزی: ۲۴، ۵۰
ابنِ خلکان: ۱۰۰
ابنِ سعد: ۱۰۰، ۱۳۲
ابنِ عرب شاہ: ۱۱۸
ابن عربی، محی الدین: ۵۴، ۵۵، ۵۹
ابو اللیث صدیقی: ۴۸
ابو طالب حسینی: ۱۱۸
ابو جہل: ۸۷
اتالیقِ خطوط نویسی: ۹۲
اثر نیاز: ۱۰۴
احساس تنہائی: ۱۹، ۲۷
احمد دین وکیل: ۵۶
احمد علی خاں، نواب: ۱۲۷
اختر راہی: ۱۲
اردو (زبان): ۱۹، ۲۱، ۳۷، ۴۹، ۵۶،
۶۱، ۸۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶،
۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۴۰
اردو جامع انسائیکلوپیڈیا: ۵۱
اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۰، ۶۰،
۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۸، ۱۴۳، ۱۴۵
اردی بہشت: ۱۴۵
ارسطو: ۴۸

ارسلان: ۳۴
ارشاد علی خاں، نواب: ۱۱۷
استغنا اور عظمتِ کردار: ۹۹
استنبول: ۱۰۴
اسد اللہ خان، مرزا غالب: ۱۹، ۲۱، ۶۴، ۷۳، ۷۸، ۱۳۰
اسرارِ خودی: ۳۰، ۳۱، ۴۷، ۴۹، ۵۷، ۶۰، ۶۶، ۷۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۴۴
اسرار و رموز: ۱۰۸، ۱۳۵
اسکندریہ: ۴۸
اسلام آباد: ۷، ۴۱
اسلامی انسائیکلوپیڈیا: ۴۸
اسلامی ثقافت: ۴۸
اسلامیہ کالج لاہور: ۱۱۲
اسلامیہ ہائی سکول جالندھر: ۱۰۲
اشرف علی تھانوی، مولانا: ۶۰
اصحاب ثلاثہ: ۳۲، ۱۳۰
اصغر علی، شیخ: ۱۳۱
اصفہان: ۲۳، ۳۸، ۸۶، ۱۱۶
اطالوی (زبان): ۱۴۱
اعجاز احمد، شیخ: ۸۵
اعجاز الحق قدوسی: ۵۴، ۵۸
اعظم گڑھ: ۳۷، ۱۱۵
افاغنہ: ۳۶، ۸۳
افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: ۵۸
افتخار الدین احمد، خان: ۱۵، ۱۶
افتخار الدین خاں: ۴۱
افتخار الدین، فقیر سید: ۹۴
افریقہ: ۱۰۹
افغانستان: ۳۴، ۶۹، ۸۳، ۱۱۸
افکارِ معلم: ۵۸
افلاطون: ۴۷
افلاطونیت جدید: ۴۷
اقبال (مجلہ): ۶۱، ۶۳
اقبال اکادمی پاکستان: ۹، ۳۰
اقبال اور ابن حلاج: ۴۹
اقبال اور انجمن حمایت اسلام: ۹۳، ۹۸، ۱۰۱، ۱۱۳
اقبال اور فارسی شعرا: ۸۱، ۱۳۹
اقبال اور لذتِ پیکار: ۱۱۵
اقبال اور مسلکِ تصوف: ۴۸
اقبال ایک تحقیقی مطالعہ: ۷۱
اقبال بنام شاد: ۳۰، ۸۰، ۱۴۲
اقبال پیام برِ امید: ۱۰۶
اقبال جہانِ دیگر: ۳۰
اقبال ریویو: ۴۹، ۹۲
اقبال صلاح الدین: ۱۳۹
اقبال علی، مولوی سید: ۴۰
اقبال کا سیاسی کارنامہ: ۱۳۰
اقبال کی صحبت میں: ۹۲، ۹۹

اقبال کے محبوب صوفیہ: ۵۸
اقبال نامہ: ۱۵، ۳۰، ۴۹، ۴۹، ۵۰، ۵۳،
۵۶، ۵۷، ۶۲، ۷۴، ۹۲، ۱۰۶،
۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۳
اقبال، احمد دین، (مرتب مشفق خواجہ):۵۶
اقبال، افغان اور افغانستان: ۸۳
اقبال، نئی تفہیم: ۱۴۶
اقبال، یورپ میں: ۱۴۱
اقبالیات مجلہ: ۵۴
اقبالیات، تفہیم و تجزیہ: ۵۱
اکبر الٰہ آبادی: ۴۹،۵۰،، ۶۵، ۷۱، ۹۴،
۹۶، ۱۰۹، ۱۱۷
اکبر حیدری، نذر علی: ۵۱، ۵۲
اکرام چغتائی: ۸۳
اکرام رانا: ۱۰۲
البستانی: ۹۹
البلاغ: ۳۷
التکشف عن مہمات التصوف: ۶۰
الحجرات، سورہ: ۱۰۸
الزمر، سورۃ: ۷۷
الطبقات الکبریٰ: ۱۰۰، ۱۳۲
العمران، سورہ: ۱۲۳
الفتوحات المکیہ فی معرفت اسرار المالکیہ و
الملکیہ: ۵۵
الکندی: ۴۸
المامون: ۴۸
امام غائب: ۶۷
امام غزالی: ۳۷, ۵۸
امام مہدی: ۶۷
امراؤ سنگھ مجیٹھیا، سردار: ۱۱۹
امرت سر: ۳۷، ۵۳، ۸۴
امریکہ: ۱۱۵
امیر الدین خاں: ۳۶، ۴۷، ۹۶، ۱۲۰
امیر عبد اللہ: ۱۰۴
ان شاء اللہ، مولوی (ایڈیٹر وطن):, ۱۱۸
انتخابات: ۱۳۰، ۱۴۶
انجمن حمایت اسلام: ۳۰، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۳
اندر سبھا: ۹۷
انساب قریش واخبار ھم: ۱۰۰
انفلوئنزا: ۳۷، ۴۷، ۷۵
انقلابِ روس: ۱۱۱
انقلاب: ۵۱، ۶۴، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۴۷
انگریزی (زبان):۲۱، ۳۰، ۳۷، ۴۱،
۵۶، ۷۳، ۹۷، ۱۱۹، ۱۲۸، ۱۳۰،
۱۳۲، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۱
انگلستان: ۷۶، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۱۰، ۱۱۵،
۱۴۶
انور الدین خاں: ۴۱
انیڈس (کتاب):۴۸
اودھ: ۵۴

اٹلی: ۱۱۵
ایچی سن کالج، لاہور: ۱۰۴
ایران: ۴۸، ۱۰۵، ۱۱۸، ۱۴۵
ایس اے رحمان، جسٹس: ۸، ۹، ۲۰
ایسٹ اینڈ ویسٹ: ۳۷، ۱۰۹
ایشیا: ۸۳
ایم اے او کالج، امرت سر: ۵۳
ایموئنس (فلسفے کا معلم):۴۸
ایوانِ اُمرا: ۹۹
ایوانِ خواص: ۹، ۹۹
ایوانِ عام: ۹۹
ایوب انصاری، حضرت: ۳۴
ایوب صابر، ڈاکٹر: ۱۲
بایزید انصاری: ۳۴
بازارِ حکیماں: ۹۴
باقیات اقبال: ۷۷، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۹
بانگ درا: ۳۰، ۵۶، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۲۴، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۱
بانیِ کعبہ: ۱۰۴
بخارا: ۴۷، ۱۳۵
بختر لڈوِز: ۱۳۷
براؤن، پروفیسر ای جی: ۱۴۵
برار: ۱۴۳
برعظیم ہند: ۹۳
برک: ۳۴، ۳۵
برکت علی: ۱۰۷
برکی (قبیلہ):۳۵
برگساں: ۱۱۹
برلن یونی ورسٹی: ۱۳۲
برلن: ۱۳۲
برٹانیکا انسائی کلوپیڈیا: ۴۸، ۵۱، ۵۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۳۷، ۱۳۸
برٹش میوزیم: ۱۰۵
بزم اقبال لاہور: ۸، ۱۰، ۲۰
بستی دانش منداں: ۹، ۱۵، ۲۰، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۴۰، ۴۳، ۷۶، ۸۳، ۸۹، ۱۱۰
بشیر الدین خاں: ۲۷
بطور ممتحن: ۱۷، ۷۱، ۱۲۴
بکرماں سنگھ: ۳۹
بمبئی: ۵۱
بنی اسرائیل، سورہ: ۵۹
بوعلی قلندر: ۱۳۹
بہار قزوینی مشہدی: ۱۴۵
بہار: ۸۷، ۹۸
بیاض اعجاز: ۶۱
بیت الحرام: ۶۵
بیگم گرامی: ۶۴، ۷۰
بین، الیگزینڈر: ۱۳۷
پشاور: ۲۷، ۸۳، ۸۷

پشتو نہ جاننے پر افسوس:, ۸۳
پشتو: ۶۹، ۸۳
پلوٹینس (Plotinus): ۴۸
پنج گنج (نظامی کی پانچ مثنویاں):۸۱
پنجاب پبلک لائبریری: ۱۲
پنجاب لیجسلیٹو کونسل: ۳۱، ۹۳
پنجاب میں اردو اخبار نویسی: ۱۳۰
پنجاب یونی ورسٹی: ۷، ۱۱۰
پنجاب: ۳۱، ۳۵، ۳۶، ۳۹، ۸۴، ۱۰۹، ۱۴۱
پنجابی (زبان):۲۸، ۵۷
پٹیالہ: ۵۶، ۱۰۹
پیام: ۳۷، ۱۰۶
پیامِ مشرق: ۳۰، ۳۷، ۸۲، ۸۵، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷
پیچش: ۸۵
پیر روشاں: ۳۴
پیر زئی: ۱۲
پیرس صلح کانفرنس: ۹۵
پیسہ اخبار: ۹۳، ۹۵، ۹۸، ۱۳۸
تاریخ افاغنۂ جالندھر: ۳۶
تاریخ تصوف: ۲۴، ۳۰، ۳۱، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۷
تحریکِ ترکِ موالات: ۳۱، ۱۱۲
تحریکِ خلافت: ۳۱، ۸۰، ۹۳
تحسین فراقی، ڈاکٹر: ۱۲
تذکرہ افاغنۂ جالندھر: ۴۰
تذکرۃ الانصار: ۳۷
تذکرۃ الاولیاء: ۱۱۰
ترکی (زبان):۱۱۸، ۱۲۸، ۱۴۵
ترکی (ملک):۴۸، ۹۵
تزکِ بابری: ۱۱۸
تزکِ تیموری: ۱۱۸
تصانیف اقبال، تحقیقی و توضیحی مطالعہ: ۸، ۴۷، ۴۹، ۵۷، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۷، ۱۳۶، ۱۴۰
تصدق حسین، راجا: ۱۰۶
تصوفِ وجودیہ: ۲۴، ۴۷، ۵۳
تصوف، عجمی: ۲۵، ۳۱، ۴۲
تفہیم القرآن: ۵۹
تلبیس ابلیس: ۵۰
تیمور نامہ: ۱۱۸
ٹالسٹائی، کونٹ:, ۱۱۱
ٹریبیون:, ۱۳۰
ڈکنسن، ایل:, ۱۱۵
ڈلہوزی:, ۵۷
جالندھر گزیٹیر: ۷۶

جالندھر: ۱۵، ۲۰، ۲۷، ۳۴، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۵۲، ۵۵، ۵۷، ۶۱، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۹، ۶۷، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۸۳، ۸۷، ۹۵، ۹۶، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵
جامع اردو انسائیکلوپیڈیا: ۱۱۶
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی: ۸۰
جاوید اقبال، ڈاکٹر: ۲۰، ۹۸، ۱۱۳
جرمنی: ۵۸، ۶۴
جگن ناتھ آزاد: ۹۹
جلیانوالہ باغ: ۳۰، ۸۴
جمال الدین خاں: ۳۵
جناح لیگ: ۴۰، ۱۴۶
جنگِ عظیم اول: ۶۷
جنوبی وزیرستان: ۳۴، ۸۳
جوگندر سنگھ، سردار: ۱۰۹
جہانگیر: ۳۴
جیجر: ۱۳۸
چودہ ستارے: ۶۷
چھجو رام: ۶۶
چیمبر آف پرنسز: ۹۸
حافظ (شیرازی):۴۹، ۹۰
حبیب الرحمن، حکیم سید: ۱۴۷
حبیب الرحمن، شروانی: ۱۲۶
حجاز: ۵۴، ۱۰۴
حرّاں: ۴۸
حسن اختر، ملک: ۷۱
حسن عسکری، امام: ۶۷
حسن نظامی، خواجہ: ۴۹، ۹۲
حسین بن علی (شریفِ مکّہ): ۱۰۴
حفیظ جالندھری: ۱۰۲
حفیظ میراشوہر: ۱۰۲
حق نواز خان، ملک: ۱۲
حمید اللہ شاہ ہاشمی: ۷۰
حیات بے ثبات: ۳۷، ۴۳
حیات صدر یار جنگ: ۱۲۶
حیدر آباد دکن: ۸۰، ۸۷، ۸۹، ۱۴۳
خالد بن المہاجر: ۹۹، ۱۰۰
خالد بن ولید، حضرت: ۹۹، ۱۰۰
خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری: ۵۴
خضرِ راہ: ۱۲۴
خطیب: ۴۹، ۵۰
خلافت کمیٹی: ۹۵، ۹۸
دانائے راز: ۵۶
دکن: ۶۲، ۸۷
دمشق: ۱۰۰
دھوگڑی: ۴۱
دہلی: ۷۱، ۷۷، ۸۰، ۹۴، ۹۶، ۱۴۶، ۱۴۷

دیوبند: ۱۴۷
دیوان شمس تبریز: ۱۱۰
دیوانِ گرامی: ۷۷، ۸۷، ۹۷، ۱۰۳،
۱۲۳
ذوالفقار علی خاں، نواب:, ۳۶, ۵۶, ۷۷,
۸۰, ۸۳, ۱۱۹, ۱۲۷, ۱۴۲, ۱۴۵
رازِ بے خودی: ۱۴۴
راما کرشنا: ۱۰۵
رجالِ اقبال: ۸۰
رحمت اللہ، بابو: ۱۱۶
رحمت اللہ، غازی: ۴۰
رحمت اللہ، ماسٹر: ۱۰۲
رحیم بخش شاہین، ڈاکٹر: ۷، ۱۲، ۷۱
رشید اختر ندوی: ۱۱۸
رضا لائبریری رام پور: ۵۴
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ۷، ۸، ۱۲، ۳۳،
۵۱، ۸۳، ۱۲۷
رموزِ بے خودی: ۳۰، ۴۹، ۶۰، ۶۵،
۶۷، ۶۸، ۶۹، ۱۲۸، ۱۳۳
روز بہان بقلی، شیخ: ۵۴
روز گار فقیر: ۹۴
روم، مولانا: ۵۴، ۶۱، ۱۱۰، ۱۲۰
زبورِ عجم: ۳۰، ۱۴۰
زرتشتی فلسفہ: ۵۹
زمیندار: ۳۵، ۳۷، ۴۹، ۱۰۵، ۱۰۶،
۱۱۴، ۱۳۸
زندہ دلی اور طنز: ۲۳
زندہ رود: ۸۸، ۹۵، ۹۸، ۱۱۳، ۱۱۴،
۱۴۶
سائمن کمیشن: ۳۲، ۱۴۶
سرسید کا سفر نامہ پنجاب: ۴۰
سر محمد اقبال کے خطوط حسن نظامی دہلوی
کے نام: ۹۲
سراج الدین پال: ۵۳
سراج الدین، منشی: ۵۶
سرحد (صوبہ):۸۳
سرگزشت الفاظ: ۵۶
سرگودھا: ۱۹
سعید اختر درانی: ۱۴۱
سکارپا، ڈاکٹر: ۱۱۵
سکندر نامہ: ۸۱
سلیم منصور خالد، پروفیسر: ۱۲
سلیمان ندوی، سید: ۹۸، ۱۲۳
سول اینڈ ملٹری گزٹ: ۳۷
سٹیفنسن، کرنل: ۲۲، ۸۸
سی آر داس: ۹۸
سیالکوٹ: ۲۱، ۲۲، ۴۳، ۴۴، ۵۶، ۴۷،
۸۶، ۸۷، ۱۰۲، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۳۵
سیتاپور: ۵۴

سید احمد خاں، سر: ۲۶، ۳۹
سید عبدالواحد معینی: ۴۷
شام: ۵۴، ۱۱۱
شاہ اسمٰعیل شہید: ۱۴۳
شاہ جہان پور: ۲۲، ۴۴، ۲۷، ۸۸، ۱۰۲،
۱۰۷، ۱۰۸
شاہ چّجا قلندر: ۵۴
شاہ دین، جسٹس: ۴۰
شاہ سلیمان پھلواری: ۴۹
شاہ عباس صفوی: ۱۱۶
شاہ ولی اللہ دہلوی: ۴۷، ۵۷
شاہکار اسلامی انسائی کلوپیڈیا: ۱۳۹
شاہین: ۲۲، ۱۱۶
شجرہ طیبہ: ۲۶
شرح شطحیات: ۵۴
شریفِ حرم: ۲۳، ۱۰۴
شریفِ مکّہ: ۲۲، ۱۰۴
شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد: ۷
شعلۂ مستعجل: ۱۰۲
شفیع لیگ: ۴۰، ۱۴۶
شفیع، سر محمد: ۱۴۶
شمس تبریز خان: ۱۲۶
شملہ: ۵۵، ۵۶، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۳۵،
۱۴۰، ۱۴۷
شہاب الدین، چودھری: ۵۶
شیراز: ۵۴
صابر کلوروی، ڈاکٹر: ۱۲، ۴۹
صحاح ستہ: ۳۷
صدر الدین قونوی: ۵۴
صدیق اکبرؓ، حضرت: ۱۲۳
صدیق جاوید: ۱۴۶
صفدر حسین شاہ، سید: ۱۲۴
صفدر علی شاہ، سید: ۱۲۴
صیام: ۵۳
طاعون: ۱۳۸
طاہر دین، منشی: ۵۶
ظفر حجازی، پروفیسر: ۱۲، ۳۰
ظہیر الدین خاں: ۴۱
عالم محسوسات: ۵۸
عبدالحمید، چودھری: ۱۲، ۵۲
عبدالرحیم خان خاناں: ۱۱۸
عبدالحق: ۵۰
عبدالرحمن (ابن خالد بن ولید) : ۱۰۰
عبدالرحمن بجنوری: ۴۳
عبدالشکور، شیخ: ۶۲
عبدالصمد خان، میر: ۸۳
عبدالعزیز (پریس برانچ آفیسر): ۶۹
عبدالعزیز، شیخ: ۱۰۱
عبدالعزیز، میاں: ۹۳، ۱۳۰

عبدالقادر، شیخ سر: ۱۱۷
عبداللہ خاں، مولوی: ۱۰۷، ۱۰۸
عبداللہ شاہ ہاشمی: ۱۳، ۴۴
عبداللہ شاہ، میر: ۱۲۷
عبداللہ، ڈاکٹر سید: ۴۷
عبدالوہاب انصاری: ۸۰، ۱۴۷
عبیدالحق ندوی، مولانا: ۱۲، ۳۷
عتیق الرحمن عثمانی: ۵۴
عثمانیہ یونی ورسٹی: ۱۲۶
عجائب المقدور فی نوائب تیمور: ۱۱۸
عراق: ۴۸، ۵۴، ۱۱۸
عربی (زبان): ۴۷، ۴۸، ۷۱، ۹۹، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۴۵
عرفی: ۶۲
عِرق النِساء: ۱۲۵
عزیز یار جنگ، نواب: ۸۹
عصری تحریکوں سے دل چسپی: ۳۲
عطا محمد، شیخ: ۲۰، ۵۶، ۱۳۹
عطا محمد، ڈاکٹر، حافظ: ۱۲۷
عطاء اللہ خان: ۱۲۷
عطاء اللہ، شیخ: ۱۵
عطیہ فیضی: ۲۱
علاؤالدین سمنانی، شیخ: ۵۸
علی امام، سید: ۸۷
علی بخش: ۱۰۱
علی گڑھ تحریک: ۳۰
علی گڑھ کانفرنس: ۱۲۶
علی گڑھ محمڈن کالج: ۱۱۳
علی گڑھ: ۴۱، ۵۴، ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۴۱
علی مردان شاہ مضطر ہاشمی: ۱۹
عمر بخش، شیخ: ۲۱، ۴۰، ۶۹، ۷۰، ۷۲، ۸۹، ۱۰۵، ۱۲۴
عیسیٰؑ، حضرت: ۵۱
غبارِ خاطر: ۱۲۶
غزوات ہندستان: ۱۱۸
غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر: ۱۰
غلام محی الدین خاں المعروف باگے خاں: ۳۵
فارسی (زبان): ۳۷، ۵۵
فتح نامۂ تیموری: ۱۱۸
فرانسیسی: ۱۲۸
فرفریوس: ۴۷
فرنگی محلی: ۹۸
فصیح الدین خاں: ۳۴
فضل بی بی: ۷۰
فضل حسین، سر: ۹۸
فکرِ معاش: ۱۲۹
فلاطینوس: ۴۷، ۴۸
فیروز الدین خاں: ۴۱

فیروز خان نون، ملک: ۴۰
فیلو: ۵۱
قرآن پاک:, ۲۴, ۲۵, ۳۷, ۴۸, ۵۰,
۵۴, ۵۵, ۵۹, ۶۲, ۶۵, ۷۷, ۱۱۳,
۱۲۲, ۱۲۳, ۱۳۳
قرۃالعینین فی تفضیل الشیخین:, ۵۸
قلندر آباد: ۱۲
قومی آزاد یونی ورسٹی: ۱۱۳
قیس: ۳۹
کابل: ۳۴، ۳۵
کاروان حیات: ۳۶
کانی کرم: ۳۴، ۳۵
کبوتر داری: ۲۲
کپور تھلے: ۵۵، ۶۱
کتابیات اقبال: ۱۲۸
کتب خانہ جامعہ پنجاب: ۱۲
کچنر، لارڈ: ۱۰۴
کراچی یونی ورسٹی: ۷
کرکٹ: ۴۱
کرنال: ۱۰۴، ۱۱۷، ۱۴۲
کشف المحجوب: ۱۱۰
کشمیر ریذیڈنسی: ۵۶
کشمیر: ۵۶، ۱۱۶
کشن پرشاد، مہاراجا: ۲۱، ۱۲۹
کعبہ: ۲۲، ۶۶، ۶۷، ۱۰۳
کلکتہ: ۹۹، ۱۰۹
کلیات اقبال اردو: ۵۹
کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال: ۶۵
کلیات بیدل: ۱۲۶
کلیاتِ گرامی: ۹۰
کلیات مکاتیبِ اقبال: ۱۳۱
کلیاتِ نظم ولا: ۸۹
گنج پورہ: ۲۲، ۱۰۴، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۱
کنز المجربات: ۱۲۵
کوفہ: ۶۷
کیمبرج یونی ورسٹی: ۱۴۵
کیمبرج: ۱۱۵
گجرات: ۲۲، ۱۰۲
گرامی کی تحسین: ۶۰، ۶۲
گرامی مولانا، غلام قادر: ۹، ۱۹، ۲۱، ۲۴،
۳۲، ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۶۰، ۶۲، ۶۳،
۶۴، ۶۵، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۳، ۷۷،
۷۸، ۷۹
گلا بیٹھ گیا: ۶۷
گیان چند، لالہ: ۴۰
لائل گزٹ: ۴۹
لارنس آف عریبیا: ۱۰۴
لاہر پور: ۵۴
لاہور ہفت روزہ: ۳۲, ۷۷

لاہور: ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۲۰، ۲۷، ۳۰،
۳۲، ۳۶، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۷، ۴۹،
۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۷، ۶۰، ۶۱،
۶۲، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۰،
۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶،
۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۸۴،
۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۹۱، ۹۲، ۹۳،
۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۲،
۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹،
۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵،
۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱،
۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶،
۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳،
۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
لدھیانہ: ۲۲، ۴۴، ۷۲، ۸۸، ۱۰۲،
۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۸، ۱۴۲
لکھنؤ: ۱۰۹
لندن: ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۲۸
لیگ آف نیشنز: ۸۷
لیلیٰ: ۱۰۳
لینن گراڈ: ۶۴
مارشل لا سے مارشل لا تک: ۸۴
مارشل لا: ۳۱، ۸۴، ۸۵، ۸۶
مالیر کوٹلہ: ۵۶، ۱۲۷
ماڈل سکول لاہور: ۱۰۷
مبارز خاں ٹوانہ، ملک: ۴۰
مبارک بیگم: ۴۱
مبارک علی، شیخ: ۱۲۹
مبارک علی، میاں: ۵۲، ۵۷
مثنوی کا تیسرا حصہ: ۱۳۳
مثنوی مولانا روم: ۶۱، ۱۱۰
مجلسِ خواص: ۹۷
مجلسِ عوام: ۹۷
مجنوں: ۱۰۳
مجوسی وویدانتی فلسفہ: ۴۷
محبوب الٰہی، حضرت: ۱۰۹
محبوب علی خان، میر: ۸۰
محمد ابراہیم دانش مند: ۷۶
محمد اجمل خان، حکیم: ۸۰
محمد احمد خاں: ۱۳۰
محمد اسلم، پروفیسر: ۱۲
محمد اطہر مسعود: ۱۱۸
محمد اقبال: ایک ادبی سوانح: ۹۹
محمد ایوب خان: ۴۰
محمد حسین عرشی امرت سری: ۱۰۶
محمد حنیف شاہد: ۷۳, ۱۱۷
محمد حیات نون: ۴۰
محمد ریاض، ڈاکٹر: ۴۹
محمد سہیل عمر: ۳۴

محمد شفیع، سر: ۴۰
محمد طفیل: ۸
محمد عبداللہ چغتائی: ۹۲, ۹۹, ۱۳۱
محمد عبداللہ شاہ، قریشی (مرحوم):, ۱۹
محمد عبداللہ قریشی:, ۴۷, ۴۹, ۵۶, ۶۲,
۷۰, ۹۲
محمد عبداللہ، حکیم:, ۱۲۵
محمد علی جوہر:, ۱۱۲
محمد علی صائب تبریزی: ۱۱۶
محمد کفایت اللہ: ۱۲۷
محمد منور، پروفیسر: ۹، ۱۰
محمد ایوب خان: ۷۶
محمود حسن، مولانا: ۱۱۲
محمود نظامی: ۱۳۱
مختار احمد انصاری، ڈاکٹر: ۱۴۷
مخزن: ۶۱، ۶۳، ۱۱۷، ۱۱۹
مدرسہ الفخریہ: ۱۰۰
مدینہ: ۱۰۰
مراتبِ سند: ۵۴
مرأۃ القلندر: ۵۴
مرکزی لائبریری واہ کینٹ: ۱۲
مسئلہ خلافت: ۹۳، ۹۵
مسائل المثنوی: ۶۰
مسدس حالی: ۵۷
مسکین علی حجازی: ۱۳۰
مسلکِ گوسفندی: ۴۷
مسلم آؤٹ لک: ۳۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۴
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ: ۴۰
مسلم لیگ: ۳۲، ۴۰، ۱۴۶
مسوڑے کے چیر ادلایا: ۱۳۹
مشتاق احمد خاں، نواب: ۱۲، ۳۶
مشفق خواجہ: ۵۶
مشن ہائی سکول: ۳۶
مصر: ۴۸
مطالعہ اقبال کے نئے رخ: ۴۷، ۵۵
مطبع مجتبائی: ۵۰
مظفر احمد فضلی، پیرزادہ: ۱۴۳
مظفر حسین اعوان، ڈاکٹر: ۱۲۵
مظفر حسین برنی: ۱۳۱
مظلوم اقبال: ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۱۳۹
معارف: ۳۷، ۱۱۵
معاصرین اقبال کی نظر میں: ۵۶، ۶۲
معاملۂ برار: ۱۴۳
معرکہ اسرارِ خودی: ۴۹
مغربی تہذیب: ۲۳
مفکر پاکستان (کتاب):, ۱۷
مقالات اقبال: ۴۷، ۵۳، ۵۵، ۵۹
مکاتیب اقبال بنام گرامی:، ۳۰، ۳۸،
۴۲، ۴۳، ۶۰، ۶۴، ۶۸، ۷۰، ۷۱،
۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۴، ۸۷، ۱۰۲

مکاتیبِ اقبال بنام نیاز: ۷، ۸، ۱۱، ۳۰، ۳۸، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۶۷، ۹۰، ۱۰۳
مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی:, ۳۰, ۶۷
مکتوباتِ گرامی:, ۹
مکہ:, ۱۰۰, ۱۰۴
ملتان:, ۴۴
ملفوظاتِ تیموری:, ۱۱۸
منصور حلاج: ۲۴، ۴۹، ۵۴
منطق الاسرار: ۵۴
نجم الحسن کراروی، سید: ۶۷
نجم الدین، فقیر سید: ۹۴
نذرِ اقبال: ۱۱۷
نذیر نیازی: ۳۱، ۴۳، ۵۶
نصیر الدین، شیخ: ۷۰
نظام الدین اولیاؒ، حضرت: ۴۹
نظامی گنجوی: ۸۱
نظریۂ اعیان: ۴۷
نظیری: ۶۲
نفیس الدین احمد، خان: ۱۵، ۱۶
نفیس الدین خاں، خان: ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۵۷، ۶۹، ۷۶، ۷۷، ۸۱، ۱۲۹
نقرس: ۱۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۳۷
نقوش: ۸، ۸۳، ۱۱۷، ۱۴۴
نقی علی، ڈاکٹر: ۱۴۱
نکلسن، آر، اے، ڈاکٹر: ۳۰، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۳۲، ۱۳۳
نوبہار الدین خاں: ۳۲، ۴۰، ۴۱، ۸۸
نور احمد، سید: ۸۴
نور محمد، شیخ: ۲۰
نوراں بھری: ۷۰
نہال چند، ڈاکٹر: ۱۴۷
نیاز الدین خاں: ۷، ۸، ۹، ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۷، ۳۰، ۳۱، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۶۴، ۶۲، ۶۷، ۷۶، ۷۹، ۸۳، ۸۵، ۱۱۰
نیاز کے اشعار کا تجزیہ اور تحسین: ۷۹
واقعاتِ تیموری: ۱۱۸
وحدت الشہود: ۵۸، ۶۰
وحدت الوجود: ۴۹، ۵۴، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۹۰
وحید الدین، فقیر سید: ۴۲، ۹۴، ۹۶
وحید قریشی، ڈاکٹر: ۱۲
وسطی ایشیا کے مسلمان: ۱۱۱
وطن: ۱۱۸
وَفَیَات الاعیان واَنباء ابناء الزمان: ۱۰۰
وکالت: ۱۷، ۳۶، ۶۶، ۷۱، ۷۶
وکیل: ۲۴، ۳۶، ۳۷، ۴۷، ۴۹، ۵۳، ۶۹، ۷۲، ۹۳، ۹۸، ۱۴۱

ولی شاہ، سید: ۴۷
ولیم بارٹن، سر: ۹۷
ولیم میلکم ہیلے، سر: ۱۴۱
ہائی پیشیا:, ۴۸
ہارووٹز، جوزف: ۱۳۲
ہربرٹ ریڈ: ۱۱۵
ہرملّب: ۴۰
ہمہ از اوست: ۵۸
ہمہ اوست: ۵۸، ۵۹
ہندوستان کے مشہور اطبا: ۱۴۷
ہندوستان: ۲۳، ۳۸، ۴۸، ۵۱، ۸۶، ۹۷، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۶، ۱۳۴، ۱۳۹
ہنری کاربن: ۵۴
ہوس آف کامنز: ۹۷
ہوس آف لارڈز: ۹۷
ہوشیار پور: ۶۲، ۶۴، ۶۹، ۷۹، ۸۷، ۱۰۱
ہوم ڈاکٹر: ۱۲۵
ہیگل: ۵۸
یثرب: ۶۲، ۶۳
یزداں: ۱۲۰، ۱۲۴
یورپ: ۳۰، ۴۸، ۵۸، ۶۶، ۹۳، ۱۱۵، ۱۴۱
یوسف سلیم چشتی: ۴۷
یوم اقبال: ۲۰
یونان: ۴۸

A Voice from the East, 119, 56
Alexander Bain 127
Ana Karenina۱۱۱ ,
Arnold , Sir Thomas Walker 141
Browne , Edward G 145
Buchner , Ludwiz 137
Chamber of Princes 97
Dickinson , L 115
East and West 73, 109 119
Enneads 48
Force and Matter 137
Foster , E.M 115
Gieger 138
Gout 137
Halley , Sir William Malcom 141
Henry Carbin 54
Horovitz, Joseph 132
Hypatia 48
Iqbal and His Times 129, 136
Iqbal: His Persian Masnawis 73
Literary History of Persia 145
Lotze , Rudolf Hermann 58
Messers Luzac & Co. Oriental

Publishers and Book-Sellers opposite to British Museum London 105
Messers Macmillan & Co
Publishers Calcutta 117
Nicholson , Reynold A ,. 110
Philo 51
Plotinus 48
The Athenaeum 115
The Journal of the Royal Asiatic Society 115
The Mystries of Self-lessness 128
The Nation 115
The Press and Poetry of Modern Persia 146
The Secrets of the Self , 110
The World Book Encyclopedia 64
Tribute to Iqbal , 73
War and Peace 111